شرح
عقیدہ
واسطیہ
سوالاً جواباً
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
www.KitaboSunnat.com
ترتیب وتسہیل
الشیخ عبدالعزیز الحمد السلمان
ترجمہ
محمد اختر صدیق
مکتبہ اسلامیہ

سوالاً جواباً
شرح عقیدہ واسطیہ
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
ترتیب وتسہیل
الشیخ عبدالعزیز الحمد السلمان
ترجمہ
محمد اختر صدیق
مکتبہ اسلامیہ

ناشر ---------------------------- محمد سرور عاصم

اشاعت ---------------------- اکتوبر 2012ء

قیمت ----------------------

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973 فیکس: 042-37232369

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

E-mail:maktabaislamiapk@gmail.com

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مترجم

اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کے بعد جب دنیا میں اس کی آبادکاری کا فیصلہ کیا تو اس سے پختہ وعدہ لیا کہ وہ اس کے احکام کی بجا آوری اور صرف اسی کی عبادت کرے گا۔اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کائنات میں انسان کا سب سے اعلیٰ شرف یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس ذات کی معرفت حاصل کرے جس نے اسے عدم سے وجود بخشا ہے۔

یہ بات مسلم ہے کہ باری تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کا ادراک علمِ وحی کے ذریعے سے ہی ممکن ہوسکتا ہے، اسی مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں آسمانی کتب اتاریں اور انبیاء کو مبعوث فرمایا حتی کہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر محمد ﷺ تشریف لائے اور ان پر اس آخری کتاب کا نزول ہوا جس کا ایک ایک لفظ علم ومعارف اور حقائق کا پورا پورا باب ہے۔ قرآن مجید تیس پاروں پر مشتمل ہے۔اور قاریٔ قرآن پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ اس کا تیسرا حصہ یعنی دس پارے عقائد وایمان کے مسائل پر مشتمل ہیں۔ انسان اور اس کے خالق کے تعلقات وروابط کو اگر کوئی چیز مستحکم کرسکتی ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ عقیدے کی بنیاد توحید باری تعالیٰ ہے اور اسی دعوت توحید کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انبیاء کو مبعوث کیا حتی کہ ختم المرسلین محمد ﷺ کی بعثت ہوئی۔

عقیدہ توحید کی تعلیم وتفہیم کے لیے جہاں نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے شمار قربانیاں دیں اور تکالیف کو برداشت کیا وہاں علمائے اسلام نے بھی دن رات اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس کی اہمیت کو خوب واضح کیا ہے۔اس مقدس خدمت کا وافر حصہ ان علماء کے نصیب میں لکھ دیا گیا جو کتاب وسنت کی شمع کو روشن رکھنے کے لیے لوگوں کے طعن وتشنیع سے بے پرواہیں اور توحید خالص کے پرچار کے دوران مصائب وآلام کی ہر گھڑی اور ہر آزمائش میں ثابت قدم رہے ہیں۔ گزشتہ صدیوں میں عقیدۂ توحید کو واضح کرنے کے لیے بہت معتبر اور جید کتب ورسائل تحریر کیے گئے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''عقیدہ واسطیہ'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔امام موصوف نے واسط شہر کے قاضی کی

خواہش پر اسے عصر کی نماز کے بعد ایک ہی نشست میں مکمل کر لیا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس میں کئی مقامات پر مغلق اصطلاحات اور مشکل زبان استعمال کی گئی ہے۔ اس کے مفہوم و مطلب کو واضح کرنے کے لیے فضیلۃ الشیخ محمد خلیل ہراس نے اس کی شرح لکھی جس سے بہت حد تک شیخ موصوف کا مؤقف سمجھنے میں آسانی پیدا ہوئی۔ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صالح الفوزان حفظہ اللہ اور ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی عام فہم شرح مرتب کی ہے۔

مدارس سلفیہ اور وفاق المدارس السلفیہ میں الشیخ خلیل ہراس کی شرح شامل نصاب ہے، اگرچہ یہ کتاب ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو آسان فہم اور سلیس بنانے کے لیے مرتب کی گئی تھی، لیکن اس کے باوجود اکثر طلبا اس کے مشکل ہونے کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔

زمانہ طالب علمی سے یہ خواہش تھی کہ کاش! کوئی صاحب علم اسے سلیس اور عام فہم انداز میں مرتب کر دے یا پھر اس کو سوالاً جواباً ترتیب دے دے تاکہ طلبا اسے بآسانی سمجھ سکیں، مگر میں اس بات سے قطعاً لاعلم تھا کہ یہ کتاب سوالاً جواباً طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کی عظیم درسگاہ اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ میں کسب فیض کا موقع نصیب فرمایا۔ فراغت کے بعد عقیدہ واسطیہ پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔ ابھی چند دن گزرے تھے کہ میں نے شیخ عبدالعزیز الحمد السلمان حفظہ اللہ کی کتاب ''عقیدہ واسطیہ سوالاً جواباً'' دیکھی، اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ترجمہ شروع کر دیا۔ دیگر مصروفیات کے باوجود میں نے تقریباً دو ماہ میں یہ ترجمہ مکمل کر لیا'' وللّٰہ الحمد''

اب یہ کتاب مکتبہ اسلامیہ کے اعلیٰ طباعتی معیار کے مراحل سے گزر کر اور خوبصورت سرورق کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مصنف نے عقیدے کے مسائل کو عمدہ اور آسان فہم انداز میں پیش کیا ہے۔ عقیدہ واسطیہ کے علاوہ مزید دلائل نے کتاب کو آسان تر کر دیا ہے۔

امید ہے یہ کتاب جہاں دینی طلبا اور اساتذہ کرام کے لیے مفید ہوگی وہاں عوام الناس کے لیے بھی بہترین ثابت ہوگی، کیونکہ مصنف نے عام فہم اور سلیس انداز میں اس کو سوالاً جواباً مرتب فرمایا ہے اور دلائل سے مزین کیا ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ مجھے میرے اساتذہ، والدین، ناشر اور ان کے رفقائے کار کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

محمد اختر صدیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۃ الکتاب

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو عظمت وجلال اور کبریائی و جمال میں یکتا وتنہا ہے۔ میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اس بندے کے شکریہ کی طرح جو اپنے اوپر انعامات و احسانات کا شکریہ ادا کرنے میں اپنی تقصیر وکوتاہی کا معترف ہے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ آپ پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ کرام پر رحمتیں نازل فرمائے۔

حمد وصلاۃ کے بعد، چونکہ اصولی (عقائد کے) سوال و جواب کی بحث بہت طویل ہے۔ جو بہت سے اصول وقواعد پر مبنی ہے اس لیے بعض بھائیوں نے مطالبہ کیا ہے کہ میں اسے اختصار کے ساتھ لکھوں۔ اس کے ساتھ ساتھ طلباء کی ہمتوں کی کمزوری اور اسباق کی کثرت و بہتات نے بھی تقاضہ کیا، جبکہ ہمارے پاس اس سلسلے میں ایک مختصر اساس اول بھی موجود ہے، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ الحیی القیوم العلی العظیم اسمانوں اور زمینوں کو بغیر نمونے کے بنانے والے سے امیدیں وابستہ کرتے ہوئے اس کی طباعت کا پختہ عزم کرلیا، اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اسے خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمالے، اس سے ہر پڑھنے والے اور ہر سننے والے کو نفع عطا فرمائے اور جو کوئی بھی اس کی نشر واشاعت میں تعاون کرے اسے اجرو ثواب سے بہرہ مند فرمائے بلاشبہ وہ سخی جواد کریم رؤف رحیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں محمد ﷺ آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ کرام پر نازل ہوں۔

عبدالعزیز الحمد السلمان
المدرس فی معهد
امام الدعوة بالرياض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصنف کا عقیدہ

عقیدہ کے مؤلف کا مختصر تعارف

شیخ الاسلام، مفتی الأنام، مجتہد فی الاحکام، تقی الدین ابو العباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام ابن تیمیہ جو کہ باعتبار شہر ''الحرانی'' اور باعتبار مسلک ''حنبلی'' ہیں۔ آپ رحمہ اللہ، ۶۶۱ھ دس ربیع الاول بروز سوموار ''حران'' شہر میں پیدا ہوئے۔ ۶۶۷ھ میں ملک پر تاتاریوں کے غلبے کے بعد آپ کے والد ماجد آپ کو اور آپ کے دونوں بھائیوں کو لے کر دمشق چلے آئے۔ آپ نے بہت سے اساتذہ کرام سے استفادہ کیا جن میں:

- الشیخ شمس الدین
- الشیخ زین العابدین بن المنجا
- المجد بن عساکر

بھی ہیں۔ آپ نے عربی لغت ابن عبدالقوی جو کہ عقد الفرائد کے مؤلف ہیں سے حاصل کی، آپ نے علم حدیث پر کافی توجہ دی اس سلسلے میں کتب ستہ اور مسند امام احمد بن حنبل کی سماعت کی، قرآن کریم کی تفسیر کی جانب پوری توجہ مبذول فرمائی، اس میں پختگی اور کمال حاصل کیا، اصول فقہ، علم میراث اور دیگر علوم میں مہارت تامہ حاصل کی حتی کہ ۲۰ سال کی عمر سے پہلے ہی آپ مسند تدریس پر رونق افروز ہو گئے۔

علم حدیث کو پڑھنے اور حفظ کرنے میں ایسی دسترس حاصل کی کہ لوگ یہاں تک کہنے لگ گئے وہ حدیث جس کی ابن تیمیہ کو پہچان اور شناسائی نہیں ہے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔

آپ نے مختلف علوم وفنون اور اہل بدعت کی تردید میں بے شمار کتب تالیف فرمائی ہیں۔

آپ کے تفصیلی فتاویٰ جات اور پیچیدہ ودشوار مسائل کے حل بھی موجود ہیں۔ آپ کی تالیفات وتصنیفات میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1. الصارم المسلول

② موافقة صحيح المنقول الصريح المعقول
③ الجواب الصحيح لمن بدّل دين المسيح
④ منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة والقدرية
⑤ الاختيارات الفقهية
⑥ الرد على المنطقيين
⑦ الفتوى الحموية
⑧ الفرقان بين أولياء الرحمن و أولياء الشيطان
⑨ الفتاوىٰ
⑩ التوسل و الوسيلة
⑪ معارج الوصول
⑫ نظرية العقد

ان کے علاوہ بھی آپ کی کئی ایک تصنیفات ہیں، ان میں سے ایک عقیدہ الواسطیہ ہے، اس کا نام الواسطیہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ جب قاضی الواسطی موسم حج میں اپنے شہر واسط سے ادھر آیا تھا تو اس نے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے ''سلفی عقائد'' تحریر کرنے کی استدعا کی تھی چنانچہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے نماز عصر کے بعد صرف ایک ہی نشست میں اس کو مرتب فرما دیا تھا۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ بڑے بڑے مصائب و آلام سے دوچار ہوئے، ایک بڑی آفت ''الفتوی الحمویہ'' کی تالیف کے باعث آئی تھی۔ مسئلہ طلاق ثلاثہ میں فتویٰ صادر کرنے پر طوفان برپا ہو گیا تھا۔ ۷۲۶ھ میں صالحین اور انبیاء کی قبروں کی جانب نیکی اور ثواب کے ارادے سے قلبی اہتمام کے ساتھ سفر کرنے پر گفتگو چھڑی تو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا، تو آپ کو اپنے ہمعصر علماء کی جانب سے انتہائی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، ان تمام مصائب و آلام کی حقیقی وجہ علماء کا ان کے ساتھ حسد اور خواہش نفس کی پیروی تھی، چنانچہ اس پر سلطان کے حکم سے آپ کو قلعہ دمشق میں قید کر دیا گیا۔ آپ دو برس اور تین ماہ وہاں رہے، اس مدت کے دوران آپ تلاوت قرآن کریم، عبادت اور تہجد گزاری کی طرف

راغب رہے حتی کہ آپ ۷۲۸ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے اور اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین

اس مختصر تعارف کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ حیی و قیوم ذات سے یہ دعا کرتا ہوں کہ ہر اس آدمی کے لیے دین اسلام پر چلنا آسان فرمائے، جو اس کے دین کی نصرت کے لیے کھڑا ہو، اور یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ ممالک اسلامیہ میں جو بدعات خرافات اور منکرات واہیات کا نیا رنگ چڑھا رہا ہے اسے زائل اور ختم فرمائے، جس نے عمومی فضا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اور یہی خرافات سنتوں پر حاوی ہو رہی ہیں اور اسلامی عقائد و اخلاق کا چہرہ مسخ ہو رہا ہے۔ ایک نوعمر انہی فضاؤں میں پروان چڑھ رہا ہے۔ حتی کہ عوام کی کثیر تعداد کے ہاں یہی فضولیات ہی عادات بن چکی ہیں۔ جنہیں بالکل برا سمجھا ہی نہیں جاتا۔ فلا حول ولا قوة الا باللّٰه العلى العظيم القوى العزيز وهو حسبنا و نعم الوكيل۔ وصلى اللّٰه على محمد و آله و صحبه اجمعين۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سوال نمبر: ۱ ''الحمد اور لفظ اللہ کا کیا معنیٰ ہے۔؟

جواب لغۃ: اختیاری اوصاف جمیلہ پر تعظیم بجالانے کی اس طور پر خبر دے کہ اس نے حمد وثنا بیان کرنے والے پر اور دوسروں پر احسانات کر رکھے ہیں۔

الحمد میں ''ال'' استغراق کے لیے ہے، جس سے ثابت ہوا کہ تمام انواع و اقسام کی حمدیں اور تعریفیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔

اور رہا ''اللہ'' کا معنیٰ تو اس کا مطلب وہ لائقِ عبادت اور مستحق پرستش ذات جو عبادت کی تمام جزئیات و افراد کی حقدار ہے کیونکہ اس میں عبادت والوہیت کی تمام صفات کمال موجود ہیں اور وہ تمام معارف (خاص) میں سے علی الاطلاق سب سے زیادہ معرفہ ہے۔

سوال نمبر: ۲ رسول کون ہے؟ اور نبی کون ہے؟ اور کیا ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے؟

جواب لغۃ: جسے رسالت کے ساتھ بھیجا جائے۔

اصطلاحاً: ایسا مرد انسان جس کی جانب شریعت وحی کی جائے اور اس کی تبلیغ کا اسے حکم دیا جائے رسول کہلاتا ہے۔ اگر اس کی جانب شریعت وحی کی جائے لیکن اسے نئی شریعت کے ساتھ مخصوص و ممتاز کیا جائے تو وہ نبی ہوگا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

سوال نمبر: ۳ ہدایت کیا ہے؟ اس کی اقسام کون کون سی ہیں؟ اور ہر قسم کی دلیل کیا ہے؟

جواب لغۃ: دلالت و رہنمائی کرنا اور واضح بیان کرنا۔

اس کی دو اقسام ہیں:

① قسم اول ہدایت دلالت: اس سے مراد وہ ہدایت ہے جس پر رسول و انبیاء اور ان کے متبعین قدرت وطاقت رکھتے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (۱۳/ الرعد: ۷)

''اور ہر قوم کے لیے ہادی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اقدس:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (٤٢/ الشوریٰ: ٥٢)

''بے شک آپ راہ راست کی رہبری کرتے ہیں۔''

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا:

((لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ)) [1]

''اگر اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے ایک آدمی کو ہدایت سے فیض یاب فرما دے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

② قسم ثانی، ہدایت توفیق: جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی قدرت وطاقت نہیں رکھتا۔ اس کا معنیٰ توفیق دینا اور الہام کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ارشاد مبارک میں یہی معنی مذکور ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾

(٢٢/ القصص: ٥٦)

''آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔''

اور یہ ارشاد الٰہی:

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (٢/ البقرۃ: ٢٧٢)

''انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔''

اور ارشاد گرامی ہے:

﴿اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ﴾

(١٦/ النحل: ٢٧)

''گو آپ ان کی ہدایت کے خواہش مند رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کر دے۔''

---

[1] بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل من اسلم: ٣٠٠٩۔

اس مسئلہ میں بہت سی دوسری آیات بھی ہیں جو اس معنیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔

سوال نمبر: ۴ عقیدہ کے خطبہ میں مذکور ہدایت سے کیا مراد ہے؟

جواب اس ہدایت سے مراد وہ ہدایت ہے جسے نبی اکرم ﷺ لائے تھے یعنی سچی خبریں، ایمان صحیح، علم نافع اور عمل صالح۔

سوال نمبر: ۵ دین کیا ہے؟ اور ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کا مطلب کیا ہے؟ (۴۸/ الفتح: ۲۸)

جواب دین کے کئی معانی ہیں اور یہاں اس سے مراد ہر وہ حکم ہے جسے اللہ نے شریعت قرار دیا ہے۔ اور آیت کا مطلب ہے کہ وہ دلائل اور براہین کے ساتھ اس دین کو بقیہ دینوں پر غالب کر دے۔

سوال نمبر: ۶ وہ کون سی چیزیں ہیں جن کے ذریعے ایک انسان اپنے دین کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

جواب مشہور و معروف حدیث جبریل میں مذکور تین ارکان کی معرفت کے ساتھ جو یہ ہیں، اسلام، ایمان اور احسان، جنہیں نبی کریم ﷺ نے بڑے واضح اور انتہائی تسلی بخش انداز میں بیان فرما دیا ہے۔

سوال نمبر: ۷ اللہ تعالیٰ کے فرمان، ﴿وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ سے آپ کیا مراد لے سکتے ہیں؟۔

جواب اللہ تعالیٰ کا شہادت دینے میں کافی ہونا اپنی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ﴾ (۶/ الانعام: ۱۹)

''آپ کہیے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے لیے کیا ہے؟ آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شہادت اپنے فرمان، اپنے فعل، اپنی نصرت اور اپنی تائید کے

ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی میں ''الشھید'' سے مراد وہ ذات اقدس ہے جس سے کوئی چیز بھی غیب اور پوشیدہ نہ ہو۔ اس طرح یہ لفظ الرقیب کا مترادف اور ہم معنیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی اطلاع رکھنے والا اور اس کا مشاہدہ کرنے والا ہے، تمام ظاہر و مخفی معلومات کو جاننے والا، تمام سنی جانے والی باتوں کو سننے والا، تمام دیکھی جانے والی اشیاء کو دیکھنے والا اور تمام اشیاء کا احاطہ کرنے والا ہے۔

سوال نمبر: ۸ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کا کیا معنیٰ ہے اور اس کے ارکان کون کون سے ہیں؟

جواب اس کا معنیٰ لا معبود بحق الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں ہے۔ اس کے دو ارکان ہیں: نفی اور اثبات، اثبات سے نفی کو الگ طور پر بیان کرنے کے لیے 'لا الٰہ' جو من دون اللہ (اللہ کے علاوہ) پوجے جانے والی تمام چیزوں کی نفی کر رہا ہے اور 'الا اللہ'، اللہ کے لیے عبادت کو ثابت کر رہا ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کی عبادت میں کوئی بھی اس کا شریک و ساجھی نہیں ہے جس طرح کہ اس کی بادشاہی اور ملک میں کوئی بھی اس کا شریک اور ہمسر نہیں ہے واللہ اعلم۔

سوال نمبر: ۹ لا الٰہ الا اللہ کی شروط کتنی اور کون کون سی ہیں؟ اور ان کے برعکس کون سی چیزیں ہیں؟

جواب اس کی سات شروط ہیں۔

- پہلی علم، اس کے برعکس جہالت ہے۔
- دوسری یقین، اس کے متضاد شک ہے۔
- تیسری اخلاص، جس کے برعکس شرک ہے۔
- چوتھی صدق جس کے الٹ کذب (جھوٹ) ہے۔
- چھٹی فرمانبرداری جو نافرمانی کی ضد ہے۔

○ ساتویں اور آخری قبول ہے جو (بات) رد کرنے کے برعکس ہے۔

ان ساتوں شروط کو کسی نے ایک شعر میں یوں جمع کر دیا ہے۔

عِلْمٌ يَقِيْنٌ وَاِخْلَاصٌ وَصِدْقُكَ مَعْ
مَحَبَّةٍ وَانْقِيَادٍ وَالْقَبُوْلُ لَهَا

سوال نمبر: ۱۰ کیا زبان سے شہادت دے دینا ہی کافی ہے یا اس کے معنی مطلب کا جاننا اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونا بھی لازم ہے؟

جواب زبانی اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا صرف اسی کا اعتبار ہوگا جو اس کے معنی ومطلب کو سمجھتے ہوئے اور اس کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو عملاً مانتے ہوئے اس کا اقرار کرے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ دونوں شہادتوں کا علم اور عمل لازمی ہیں۔ (دو شہادتوں سے مراد: لا الٰہ الا اللہ کی شہادت اور محمد رسول اللہ کی شہادت ہے۔) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ (۴۳/ الزخرف: ۸۶)

''......ہاں مستحق شفاعت وہ ہیں جو حق بات کا اقرار کریں اور انہیں علم بھی ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ ﴾ (۴۷/ محمد: ۱۹)

''سو (اے نبی ﷺ) آپ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی لغزشوں کی بخشش مانگا کریں۔''

اس کے علاوہ اور بھی کئی دلائل ہیں۔

سوال نمبر: ۱۱ محمد رسول اللہ کی شہادت کا کیا معنیٰ ہے؟

جواب اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جن کاموں کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے اور جو آپ نے خبریں بیان کی ہیں ان میں آپ کی تصدیق کرنا اور جن باتوں سے آپ نے منع کیا اور روکا ہے ان سے اجتناب کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اسی طریقے سے کرنا جسے آپ ﷺ نے مشروع فرمایا ہے۔ آپ کے امر ونہی کی تعظیم کرے اور اس پر کسی کے قول کو

مقدم نہ کرے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

سوال نمبر: ۱۲ لا الہ الا اللہ کی شہادت کے ساتھ محمد رسول اللہ کی شہادت کو ملانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت کے ساتھ ملانے میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک انتہائی ضروری ہے۔ ان دونوں میں سے فقط ایک کا اقرار کسی کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا اسی لیے تو اذان میں، تشہد میں، دونوں کو ملا کر پڑھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل میں دیکھیں:

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ ﴾ (۹٤/ الم نشرح: ٤)

''اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔''

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جہاں اللہ کا نام لیا جائے گا وہاں آپ کا نام بھی ذکر کیا جائے گا، یہ قول حسن کا ہے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں آپ کا ذکر بلند فرمایا ہے۔ کوئی خطیب، کوئی تشہد پڑھنے والا اور کوئی بھی نمازی ایسا نہیں ہے مگر وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے:

((اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ))

''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اور میں اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا یعنی اذان کے ساتھ۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَغَرُّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ
مِّنَ اللّٰهِ مَشْهُوْدٌ يَلُوْحُ وَيُشْهَدُ

''آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشہور و معروف اور تابناک و روشن ختم نبوت ہے جو چمک رہی ہے اور گواہی دے رہی ہے۔''

وَضَمَّ الْإِلٰهَ اِسْمَ النَّبِیِّ مَعَ اسْمِهٖ
إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

''اور معبود حقیقی نے نبی اکرم ﷺ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا لیا ہے یعنی جب موذن پانچ بار اشہد پکارتا ہے۔''

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدُ

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے نام کو اپنے اسم گرامی سے مشتق فرمایا ہے، دیکھو عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ﷺ ہے۔''

سوال نمبر: ۱۳ نبی کریم ﷺ کے لیے دونوں صفات یعنی عبودیت اور رسالت کو یکجا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب اس میں حکمت اور راز یہ ہے کہ یہ اوصاف کسی بندے کے اعلیٰ ترین وصف ہیں جو اس کے لیے بیان کیے جا سکتے اور رسول اللہ ﷺ تو پوری کائنات میں سے ان اوصاف میں اکمل ترین ہیں۔ اور اس میں ان لوگوں کے لیے بھی ایک تنبیہ موجود ہے جنہوں نے آپ کو آپ کے مقام و مرتبہ سے بلند کر دیا ہے۔ اور ان لوگوں کے لیے بھی جنہوں نے آپ کی لائی ہوئی شریعت کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور ایسی آراء و اقوال پر اعتماد کر چکے ہیں جو آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کے برعکس و متضاد ہیں۔

سوال نمبر: ۱۴ توحید کی تعریف کیا ہے؟ اس کی وضاحت کریں۔

جواب اس سے مراد بندے کا 'علم' اعتراف اور اعتقاد اور وہ ایمان ہے جس کے ساتھ وہ اپنے مالک حقیقی کو تمام صفات کامل کے ساتھ یکتا و تنہا مانتا ہے۔ اور اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی صفات کامل میں کوئی اس کا مثل ہے اور وہی اپنی پوری مخلوق پر الوہیت و عبودیت کا استحقاق رکھتا ہے۔

سوال نمبر: ۱۵ توحید کی تقسیم کے قائلین کے نزدیک اس کی تین اقسام کون کون سی ہیں؟

جواب وہ تینوں اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

- توحید ربوبیت
- توحید اسماء وصفات
- توحید الوہیت

سوال نمبر: ۱۶ توحید ربوبیت کا مطلب کیا ہے؟

جواب بندے کا یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے۔ تمام مخلوقات کو پیدا کرنے، رزق دینے اور سب امور کی تدبیر کرنے میں منفرد اور تنہا ہے۔ اس اکیلے نے ہی تمام مخلوقات کو نعمتوں سے نوازا ہے۔ اور اسی نے اپنی خاص مخلوق یعنی انبیاء اور ان کے پیروکاروں کو عقائد صحیحہ، اخلاق جمیلہ، علوم نافعہ اور اعمال صالحہ سے سرفراز فرمایا ہے۔

سوال نمبر: ۱۷ توحید اسماء وصفات سے کیا مراد ہے؟

جواب اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام وجوہ اور اعتبارات سے، عظمت، جلال اور جمال کی صفات کے ساتھ کمالِ مطلق میں منفرد و یکتا ہے، اور یہ اس طرح کہ جتنے اسماء اور جتنی صفات اس نے ذات اقدس کے متعلق یا اس کے رسول ﷺ نے اس کی ذات کے متعلق کتاب وسنت میں بیان فرمائی ہیں سبھی کو ثابت سمجھنا، ان کے معانی اور ان کے احکام کے مطابق یقین رکھنا۔

سوال نمبر: ۱۸ توحید الوہیت کیا ہے؟

جواب اس بات کا علم اور اعتراف کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی پوری مخلوقات پر بندگی اور الوہیت کا حق رکھتا ہے۔ اور تمام عبادات میں صرف وہی اکیلا اور یکتا ہے۔ اس کے لیے ہی دین کو خالص رکھا جائے توحید کی اس قسم کو توحید عبادت بھی کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر: ۱۹ کیا مذکورہ تقسیم کے علاوہ بھی توحید کی کوئی دوسری تقسیم ہے؟

جواب جی ہاں! بعض علماء توحید کی اور بھی دو قسمیں بیان کرتے ہیں:

پہلی قسم

قولی اعتقادی: یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ قسم دلوں کے تمام اقوال کو شامل ہے۔ دلوں کا اعتراف، اعتقاد اور زبان کے تمام اقوال اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے معمور

تمام تعریفیں اور ستائشیں اس میں داخل ہیں۔ یہ قسم توحید اسماء وصفات ہے جس میں توحید ربوبیت بھی داخل ہے۔

دوسری قسم

فعلی: اس کا نام توحید الوہیت ہے اس کا نام فعلی اس لیے رکھا جاتا ہے کہ دل و دیگر اعضائے جسمانی کے افعال مثلاً زکوٰۃ اور حج وغیرہ کو شامل ہے۔

سوال نمبر: ۲۰ توحید قولی کی اقسام کون کون سی ہیں؟

جواب اول نفی۔

اس کی آگے مزید دو قسمیں بنتی ہیں:

① اللہ تعالیٰ سے نقائص وعیوب کی نفی کرنا۔

② اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات سے تشبیہ وتعطیل (انکار) کی نفی کرنا۔

دوم: اثبات

توحید قولی کی دوسری قسم اثباتی ہے اور اس سے مراد کتاب وسنت میں وارد اللہ رحمٰن کی تمام صفاتِ کمال کو ثابت ماننا ہے۔

سوال نمبر: ۲۱ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ کو پاک بیان کیا گیا ہے ان کی دو قسمیں ہیں متصل اور منفصل ہر ایک قسم کی مثالیں اور ہر ایک قسم کا ضابطہ بھی ذکر کریں۔

جواب متصل کی مثالیں: نیند، اکتاہٹ، تھکاوٹ، موت، غفلت، بھول، نسیان، کھانے پینے کی حاجت۔ اس قسم کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ نقص اور عیب جو اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ سے متصادم ہو یا اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات مبارکہ کے متعلق بیان کردہ یا نبی کریم ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے متعلق بیان کردہ اوصاف کے برعکس ہو، اس سے اللہ کو پاک تصور کیا جائے۔

دوسری قسم منفصل ہے، اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر تعلق داری سے پاک قرار دینا کہ پوری مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے خصائص میں اس کا شریک اور ساجھی ہو، وہ خصائص جو کسی دوسرے کے لیے ہو ہی نہیں ہو سکتے۔

منفصل کی مثالیں: بیوی، شریک، ہمسر، معاون، اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش، بوجہ عاجزی اور کمزوری کسی ولی یا مددگار کا (یقین)، ایسی تمام تعلق داریوں سے اللہ جل وعلا کو مقدس، پاک اور مبرا قرار دیا جائے۔

سوال نمبر: ۲۲ توحید کی وہ کون سے قسم ہے جسے رسول لے کر آتے رہے ہیں، اور جسے آسمانی کتب میں نازل کیا گیا ہے؟ دلیل کے ساتھ وضاحت کریں۔

جواب وہ توحید الوہیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ (۱٦/ النحل:۳٦)

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾

(۲۳/ المومنون:۲۳)

''یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا اس نے کہا کہ: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔''

﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ (۷/ الاعراف:٦۵)

''اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔''

اور یوں بھی ارشاد فرمایا:

﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ (۷/ الاعراف:۷۳)

''اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو۔''

اور یوں بھی ارشاد گرامی ہے:

﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ (۷/ الاعراف:۸۵)

''اور مدین والوں کی طرف شعیب کو (بھی) اس نے کہا: اے میری قوم! اللہ

تعالیٰ کی عبادت کرو۔''

اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اعلان اس طرح موجود ہے:

﴿ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ﴾ (۱۲/ یوسف:۴۰)

''فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔''

سوال نمبر: ۲۳ توحید الوہیت کے ارکان کون کون سے ہیں؟ ان کے متعلق وضاحت سے گفتگو کریں۔

جواب اس کے دو رکن ہیں:

صدق اور اخلاص

اول رکن سے ایسی توحید مراد ہے کہ جس سے کوئی دوسری مراد متصادم نہ ہو اور دوسرے رکن میں ایسی توحید مراد ہے کہ اس واحد اور یکتا کی عبادت کرنے میں اپنی پوری طاقت اور کوشش صرف کر دی جائے۔

سوال نمبر: ۲۴ توحید کی اس قسم یعنی توحید عبادت کے برعکس کون سی چیز ہے؟

جواب اس کے ساتھ کسی غیر کو بھی تدبیر امور میں شامل ماننا۔ اس کی ساری ربوبیت اپنے بندوں کے لیے ہے۔ اور بندوں کی ساری عبودیت و بندگی خالص اس کے لیے ہے۔

سوال نمبر: ۲۶ توحید اسماء صفات کی ضد کیا ہے؟

جواب اس کی ضد دو امور ہیں۔: تعطیل اور تشبیہ

جس نے اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کی اور انہیں معطل قرار دیا تو یہ تعطیل اس کی توحید کو ختم کر دے گی اور اسے دعویٰ توحید میں جھوٹا ثابت کرے گی۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی تو یہ تشبیہ بھی اس کی توحید کو ختم کر دے گی اور اسے جھوٹا ثابت کرے گی۔

سوال نمبر: ۲۷ اللہ تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا کیا معنیٰ ہے؟ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور صحابی کون ہوتا ہے؟

جواب اس کا معنیٰ، اللہ تعالیٰ کا سردار فرشتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف

وتوصیف کرنا۔

اور کسی شخص کی آل میں وہ سب نسبت رکھنے والے شامل ہیں جن کے درمیان کوئی مضبوط رشتہ ہو۔اس ضمن میں جو سب سے خوبصورت بات آپ ﷺ کے بارے میں کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ تمام لوگ آپ کی آل میں شامل ہیں جو دین میں آپ کے پیروکار ہیں۔

اور صحابی ہر وہ شخص ہے جو حالت ایمان میں رسول اللہ ﷺ سے ملا ہو اور اسی حالت پر فوت ہوا ہو۔

سوال نمبر: ۲۸ ''امابعد'' کلمہ کا کیا معنیٰ ہے؟ اور اسے کس مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟ اور مصنف رحمہ اللہ نے ''فرقہ ناجیہ کا عقیدہ'' کہہ کر کس جانب اشارہ کیا ہے؟

جواب اس کا معنیٰ ہے یعنی امابعد کا مھما یکن من شئی جو کچھ بھی ہے، جو چیز ہونے والی ہے۔

اسے ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اور جہاں تک الفاظ کا ظاہر بتا رہا ہے حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے مصنف کا مذکورہ عبارت سے اشارہ اس تصنیف کی جانب ہے کیونکہ یہ عقیدہ کی کتاب ہے لہٰذا اشارہ عقیدہ کی جانب ہی ہے۔

سوال نمبر: ۲۹ اعتقاد کا معنیٰ کیا ہے؟ اور فرقہ ناجیہ سے مراد کون سا گروہ ہے؟

جواب لفظ اعتقاد ''اعتقد'' کا مصدر ہے اور اسے مطلق تصدیق کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور اس عقیدے پر بھی جسے انسان امور دین کے معاملے میں اختیار کر لیتا ہے۔ اور فرقہ ناجیہ سے مراد ''اہل سنت والجماعت'' (سلف صالحین اور ان کا طریقہ اپنانے والے) ہیں۔

سوال نمبر: ۳۰ ناجیہ (نجات پانے والا) وصف کہاں سے لیا گیا ہے؟ اس کی وضاحت کریں۔

جواب نبی کریم ﷺ کے اس فرمان گرامی سے یہ وصف لیا گیا ہے:

((سَتَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ اِلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا

وَاحِدَةً)) [1]

''میری امت تہتر (۷۳) گروہوں میں بٹ جائے گی سبھی کے سبھی جہنم میں جائیں گے۔سوائے ایک کے۔''

اور اس حدیث رسالت مآب ﷺ سے یہ وصف اخذ کیا گیا ہے:

((لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُوْرَةٌ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ)) [2]

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا، اس کی اللہ کی طرف سے مدد ہوتی رہے گی۔ جو کوئی انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دے (ان کی مدد سے ہاتھ پیچھے ہٹالے) یا ان کی مخالفت کرے تو انہیں کوئی نقصان نہ ہو سکے گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔''

سوال نمبر: ۳۱ سنت سے کیا مراد ہے؟ اور اہل سنت والجماعت کون لوگ ہیں؟ اور انہیں سنت سے منسوب کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب لغۃ: سنت کا معنی طریقہ اور راستہ کے ہیں۔

اصطلاحاً: نبی اکرم ﷺ کے اقوال، افعال اور آپ کی موجودگی میں کیے گئے آپ کے پسندیدہ افعال و اقوال کو سنت کہتے ہیں۔ اہل سنت سے مراد سنت کی پیروی کرنے والے لوگ ہیں۔ انہیں سنت کی جانب اس لیے منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ یہ سنت کا دامن تھامنے والے ہیں اور ان کی سنت کی جانب نسبت تمام فرقہ بندیوں سے بالاتر ہے۔ جماعت سے مراد اکٹھی امت اور مراد صحابہ کرام، تابعین اور جو کوئی ان کی پیروی کرے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان

سوال نمبر: ۳۲ ایمان باللہ (اللہ تعالیٰ پر ایمان) رکھنے سے کیا مراد ہے جو کہ ایمان کا رکن اول ہے؟

---

[1] ترمذی، کتاب الإیمان، باب ماجاء فی افتراق هذه الأمة: ۲٦٤١۔

[2] مسند احمد: ۱٥۱۷۰۔

جواب: وہ پختہ اعتقاد کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب اور مالک ہے اور بلاشبہ وہی پیدا کرنے والا، بہت زیادہ روزی دینے والا، زندہ کرنے والا اور وہی مارنے والا ہے، اور فقط وہی اس بات کا حقدار ہے کہ صرف اسی اکیلے کی ہی عبادت و پرستش کی جائے، اس کے آگے عاجزی اور انکساری کی جائے حتیٰ کہ عبادت کی تمام اقسام اس کے لیے ہی ادا کی جائیں اور اس بات کو دل و دماغ میں جگہ دی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی کمال عظمت، جلال کی اعلیٰ صفات سے متصف اور ہر طرح کے عیب اور نقص سے پاک صاف ہے۔

فرشتوں پر ایمان

سوال نمبر: ۳۳ فرشتوں پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے کیونکہ یہ ایمان کا دوسرا رکن ہے۔

جواب: اس بات کی پختہ تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو کہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات بیان فرمائی ہیں وہ اسی طرح اس کے عزت والے بندے (بندگی کرنے والے) شب و روز تسبیح کرنے والے ہیں، جو کسی لمحہ بھی غفلت و سستی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی امر و حکم کی نافرمانی نہیں کرتے وہ بس وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے۔ وہ ان امور و فرائض کو ادا کرنے میں لگے ہوئے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد فرما دیے ہیں۔

سوال نمبر: ۳۴ کیا فرشتوں پر اجمالاً ایمان رکھنا کافی ہے؟

جواب: جن فرشتوں کا مخصوص ناموں سے ذکر موجود ہے جیسے جبریل، میکائیل، اسرافیل، رضوان اور مالک اور جن فرشتوں کی مخصوص تعداد کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً عرش کے حاملین، حفاظت پر مامورین، اور لوگوں کے اعمال لکھنے کے لیے کاتبین، ان پر تو تفصیل سے ایمان رکھنا ضروری ہے ان کے علاوہ باقی سب پر اجمالاً ایمان رکھنا واجب ہے جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی شمار بھی نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان

سوال نمبر: ۳۵ اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان رکھنے سے کیا مراد ہے جو کہ ارکان ایمان میں سے تیسرا رکن ہے؟

جواب اس امر کی پختہ تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے چند کتابیں اپنے انبیاء اور رسولوں پر نازل فرمائی ہیں، وہ درحقیقت کلام الٰہی میں سے ہیں۔ یہ سب کتابیں نور اور ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ اور جو ان کتابوں میں درج ہے وہ برحق اور سچ ہے۔ ان کتابوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ان سب پر اجمالا ایمان رکھنا واجب ہے البتہ جن کا اللہ تعالیٰ نے تذکرہ کیا ہے مثلاً تورات، انجیل زبور اور قرآن ان پر تفصیلاً ایمان رکھنا واجب ہے۔ قرآن کریم پر ایمان لانا واجب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتارا ہوا ہے، یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کلام ہے جس طرح کہ سابقہ کتبِ سماوی جو انبیاء کرام پر اتاری گئی تھیں وہ اللہ تعالیٰ کا کلام تھیں لیکن یہ دیگر کتب کے مقابلے میں تبدیلی اور تغیر سے محفوظ رہنے میں ممتاز ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ ﴾ (١٥/ الحجر:٩)

''ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

اور فرمان الٰہی:

﴿ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ ﴾
(٤١/ حم السجدة:٤٢)

''جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے یہ حکمتوں والے خوبیوں والے اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان

سوال نمبر: ۳۶ اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے جو کہ ارکان ایمان میں سے چوتھا رکن ہے؟

جواب اس بات کی پختہ تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی دنیا اور آخرت کی رہنمائی کے لیے بھیجا تھا۔ کیونکہ اللہ لطیف وخبیر کی حکمت نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی مخلوق کو بے کار و بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا، بلکہ اس نے ان کی طرف خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء و رسولوں کو مبعوث فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے ان انبیاء و رسل پر جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ محکم میں نام لے کر تذکرہ فرمایا ہے تفصیلاً ایمان لانا اور جن کا اللہ تعالیٰ نے تذکرہ نہیں فرمایا ان پر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے۔ انبیاء کرام کی تعداد اور ان سب کے ناموں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾

(٤/ النساء: ١٦٤)

”اور آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے۔“

رسولوں کی تعداد

سوال نمبر: ۳۷ قرآن کریم میں مذکور انبیاء و رسل کی تعداد کتنی ہے اور وہ کون کون سے ہیں وضاحت کریں؟

جواب ان کی تعداد پچیس ہے اور وہ یہ ہیں:

حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت یونس، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت ایوب، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت الیسع، حضرت ذوالکفل، حضرت داؤد، حضرت زکریا، حضرت سلیمان، حضرت الیاس، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

سوال نمبر: ۳۸ رسولوں کی رسالت کا موضوع کیا تھا؟ اور اس کی کیا حکمت تھی؟

جواب ان کی رسالت کا موضوع خوشخبری سنانا اور ڈرانا تھا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (٤/ النساء:١٦٥)

''ہم نے انہیں رسول بنایا ہے خوشخبریاں سنانے والے، ڈرانے والے ہیں، تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر نہ رہ جائے۔''

رسولوں کو بھیجنے کی حکمت یہ تھی کہ ان کی امتوں کو ایک اللہ کی عبادت و پرستش کی طرف دعوت دی جائے اور اس کے ماسوا کی بندگی سے روکا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾

(١٦/ النحل:٣٦)

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔''

سوال نمبر: ٣٩ اولوالعزم رسول کون سے ہیں؟ اور ان کا ذکر کہاں ملتا ہے۔

جواب وہ یہ ہیں، حضرت محمد ﷺ، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام جو کہ سورۃ الشوریٰ کی اس آیت میں ذکر کیے گئے ہیں:

﴿شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ﴾

(٤٢/ الشوریٰ:١٣)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی شریعت مقرر کر دی ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے آپ کی طرف بھی وحی کر دی جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔''

اور سورۃ الاحزاب کی اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی

وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۷)

"جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا بالخصوص آپ سے اور نوح علیہ السلام سے اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام سے اور مریم علیہا السلام کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام سے۔"

سوال نمبر: ۴۰ تمام رسولوں علیہم السلام کی بابت ہم پر کیا واجب ہے؟

جواب ان کی تصدیق کرنا ہم پر واجب ہے، اور اس امر کی بھی تصدیق کرنا کہ انہوں نے وہ تمام باتیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں امتوں کو پہچانے کا حکم دیا تھا وہ سب کی سب پہنچا دی ہیں بلکہ انہوں نے بڑی وضاحت کے ساتھ ان کے سامنے بیان کر دی ہیں۔ کسی بھی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ ان سے ناواقف اور جاہل رہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (٤/ النساء:٨٠)

"اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اطاعت کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔"

ان کی بابت یہ ایمان رکھنا بھی واجب ہے کہ وہ جھوٹ، خیانت اور حق چھپانے سے معصوم تھے، وہ کبیرہ گناہوں سے بھی معصوم تھے البتہ بعض حالات میں چھوٹی لغزشیں واقع ہو جاتی ہیں، کتاب وسنت دونوں ہی اس پر دلالت کرتے ہیں...... لیکن وہ ان پر قائم نہیں رہتے تھے بلکہ انہیں توبہ کی توفیق مل جایا کرتی تھی۔ ان کا احترام ملحوظ رکھنا واجب ہے۔ ان کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا، ان کے نقش قدم پر چلنا اور ان کے امور و معاملات کی پیروی کرنا ہم پر واجب ہے، ان کے منع کردہ امور سے باز رہنا لازم ہے۔ پھر یہ اعتقاد رکھنا بھی واجب ہے کہ وہ علم اور عمل کے اعتبار سے پوری کائنات سے اکمل ہیں، سب سے بڑھ کر سچے، نیک اور سب سے بڑھ کر اخلاق میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے فضائل عطا فرمائے تھے جن تک کسی دوسرے کی رسائی ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاق رزیلہ سے مکمل طور پر محفوظ رکھا تھا۔ ان سے محبت رکھنا اور ان کی تعظیم وتکریم کرنا واجب ہے۔ ان کی شان میں غلو اور مبالغہ آرائی اور انہیں ان کے مراتب سے اوپر لے جانا حرام ہے۔

سوال نمبر: ۴۱ وہ کون سی چیزیں ہیں جو رسولوں کی نسبت جائز نہیں؟

جواب ان کے حق میں عقلی اور شرعی لحاظ سے یہ چیزیں جائز ہیں: نیند، نکاح، کھانا

پینا، بیٹھنا، چلنا، ہنسنا اور باقی تمام بشری لوازمات جو ان کے بلند مراتب میں نقص و عیب پیدا نہیں کرتے ہیں۔ وہ بھی بشر ہیں انہیں بھی ویسے ہی حالات درپیش آتے ہیں جو دیگر افراد کو پیش آتے ہیں جن کا تبلیغ احکام الٰہی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کی جانب ظالموں کے ہاتھ بڑھتے ہیں اور انہیں ظلم و ستم اذیتیں پہنچتی ہیں بلکہ بعض انبیاء کرام کو تو شہید بھی کیا جاتا رہا جس طرح کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ملاحظہ ہو:

﴿ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۱۲)

''اور وہ ناحق انبیاء کو قتل کرتے تھے۔''

فرمان الٰہی:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ﴾ (۲۵/ الفرقان:۲۰)

''ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((وَلٰكِنْ أُصَلِّي وَأَنَامُ وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ)) [1]

''اور لیکن میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، اور میں عورتوں سے شادی بھی کیے ہوئے ہوں۔''

نبی کریم ﷺ مرض کا شکار ہو جاتے، درد محسوس کرتے، بیماری کی شکایت کر لیا کرتے تھے، آپ ﷺ کو گرمی، سردی، بھوک، پیاس، غصہ، ڈانٹ ڈپٹ اور تھکاوٹ وغیرہ سب عوارض لاحق ہو جایا کرتے تھے جن کے ساتھ آپ کی شان اقدس میں کوئی عیب رونما نہیں ہوتا۔

سوال نمبر: ۴۲ رسولوں کی صداقت کی کیا دلیل ہے؟ اور کس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید وحمایت فرمائی ہے؟

---

[1] بخاري، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح: ٥٠٦٣۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے ایسے صاف اور کھلے دلائل کے ساتھ ان کی تائید وحمایت فرمائی ہے جو ان کے دعویٰ رسالت میں ان کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے دلائل نبوت اور معجزات میں سے ایک قرآن کریم بھی ہے جس نے ساری خلقت کو عاجز کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ چند ایک معجزات یہ بھی ہیں: چاند کا دو ٹکڑے ہونا، آسمان کا روشن اور چمکدار ستاروں کے ساتھ نگہداشت میں آجانا، آسمان کی طرف آپ کا سفر معراج فرمانا، اللہ تعالیٰ کا آپ کے دشمنوں کے مقابلے میں کافی ہو جانا، آپ کو لوگوں سے محفوظ کر لیا جانا، آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازنا، آپ کا ماضی اور مستقبل کی ان دیکھی اور ان سنی باتوں کی اطلاع دینا، کھانے اور پینے کی اشیاء کا آپ کی برکت سے زیادہ ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس طرح تائید ونصرت فرمائی تھی۔ فرمان رب کائنات ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ﴾ (۱۷ بنی اسرائیل:۱۰۱)

"ہم نے موسیٰ کو نو معجزے بالکل صاف صاف عطا فرمائے۔"

مزید برآں تمام انبیاء ورسل کے عمدہ ترین حالات، ان کے بلند وبالا اخلاقی کردار فطرت کی سلامتی، پاکدامنی، سخاوت، شجاعت، عدل، خیرخواہی، کامل ترین مروت اور اس کے علاوہ اخلاق فاضلہ وعالیہ کے درجات ومراتب وغیرہ، مذکورہ اشیاء میں جو آدمی بھی غور وفکر کرے گا وہ اس نتیجے پر پہنچ جائے گا کہ انبیاء کرام بلاشک وشبہ حق وصداقت ہی لائے تھے۔

دوبارہ اٹھنے پر ایمان

سوال نمبر: ۴۳ بعثت سے کیا مراد ہے؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ اس پر ایمان رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: لغۃ: حرکت دینا اور پیچھے چلانا،

اصطلاحی اعتبار سے: جسموں کو دوبارہ لوٹانا اور ان میں روحوں کو داخل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴾ (۳۶/ یٰس:۵۱)

''تو صور کے پھونکتے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف تیز تیز چلنے لگیں گے۔''

دوسرے مقام پر یوں ارشاد گرامی ہے:

﴿ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ﴾ (۳۹/ الزمر:۶۸)

''پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے۔''

ایک اور ارشاد ان الفاظ میں ہے:

﴿ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۝ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ﴾ (۷۹/ النزعت:۱۳۔۱۴)

''وہ تو صرف ایک خوفناک آواز ہے کہ (جس کے پیدا ہوتے ہی) وہ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔''

یہ فرمان گرامی یاد رکھیں:

﴿ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ﴾

(۷۰/ المعارج:۴۳)

''جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی تھان کی طرف تیز تیز جا رہے ہیں۔''

رب العالمین کے لیے تمام انسانوں کا دوبارہ کھڑے ہونا حق اور سچ ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

سوال نمبر: ۴۴ اس کے انکار کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور اس حکم کی کیا دلیل ہے؟

جواب اس کا انکار کرنا کفر اکبر ہے یہ ملت اسلامیہ سے خارج کر دینے والا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن لَّن يُبْعَثُوا ۚ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۚ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴾ (۶۴/ التغابن:۷)

''ان کافروں نے خیال کیا ہے کہ دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں اللہ کی قسم تم ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے پھر جو تم نے کیا ہے اس کی خبر دیے جاؤ گے اور اللہ پر یہ بالکل ہی آسان ہے۔''

﴿ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۵۵)

''اور اس سے پھر دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔''

اور رسول اکرم ﷺ نے عاص بن وائل سے فرمایا تھا جب وہ ایک تغیر پذیر بوسیدہ سی ہڈی لا کر آپ کے سامنے اسے چورا چورا کرنے لگا تھا اور یوں بولا تھا اے محمد! کیا اللہ اس بوسیدہ ہڈی کو ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد بھی زندہ کرے گا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا تھا، جی ہاں اللہ تعالیٰ اسے بھی دوبارہ زندہ کرے گا۔ وہ اللہ تجھے بھی زندہ کرے گا پھر تجھے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔ تب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی۔ فرمان باری تعالیٰ:

﴿ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ ﴾ (۳۶/ یٰسٓ:۷۹)

''کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے؟ پھر بھی یہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا اور ہم کو مثالیں سنانے لگا اور اپنی اصل پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ جواب دیجئے کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔''

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''النونیہ'' میں ان ''ارکان خمسہ'' کو یوں بیان کیا ہے۔

إِيْمَانُنَا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِرُسُلِهِ
وَبِكُتْبِهِ وَقِيَامَةِ الْأَبْدَانِ

''ہمارا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا پھر اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور جسموں کے دوبارہ اٹھنے پر ایمان رکھنا۔''

وَبِجُنْدِهِ وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ الْأُوْلَى

هُمْ رُسُلُهُ لِمَصَالِحِ الْأَكْوَانِ

”اور اس کے لشکروں پر ایمان رکھنا جو سب سے پہلے فرشتے مراد ہیں جو کہ عالم موجودات کے مصالح وفوائد کی خاطر اس کے رسول ہیں۔“

هٰذِيْ أُصُوْلُ الدِّيْنِ حَقًّا أَصُوْلُ

الْخَمْسِ لِلْقَاضِيْ هُوَ الْهَمْذَانِ

”تو یہ اصول دین کے برحق پانچ اصول ہیں اس فیصلہ کرنے والے کی طرف سے جو نہایت عمدہ فرمان جاری کرنے والا ہے۔“

تقدیر پر ایمان

سوال نمبر: ۴۵ تقدیر پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ وضاحت سے بیان کریں۔

جواب اس بات کی پختہ تصدیق کرنا کہ ہر خیر وشر اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اندازے کے ساتھ وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اور بلاشبہ وہ جو چاہتا ہے بلا روک ٹوک کر گزرنے والا ہے، دنیا میں کوئی معمولی سے معمولی کام بھی اس کے ارادے کے بغیر نہیں ہوتا کوئی ذرہ برابر چیز بھی اس کی مشیت (مرضی) سے باہر نہیں ہے۔ پورے عالم میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اس کی تقدیر اور اندازے سے سرتابی کرنے والی ہو۔ جو کچھ بھی ہو رہا ہے صرف اسی کی تدبیر سے ہو رہا ہے۔ تقدیر اور مقدار سے کوئی بھی کنارہ کش اور علیحدہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی لوح تقدیر میں کھینچے ہوئے خط سے ہی آگے تجاوز کرسکتا ہے۔ وہی تنہا بندوں کے افعال طاعات ومعاصی کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے بندوں کو (کچھ کام کرنے کے) حکم بھی دیے ہیں اور اور روکا بھی ہے۔ انہیں اپنے اپنے افعال کا خود مختار بھی بنایا ہے۔ ان کاموں پر انہیں کسی طرح مجبور محض بھی نہیں بنایا ہے بلکہ تمام افعال واعمال ان کے اپنے اپنے ارادوں اور طاقتوں کے مطابق ہی وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی انہیں بھی اور ان کی قدرتوں کو بھی پیدا کرنے والا ہے، جسے چاہتا ہے اپنی رحمت اور ہدایت سے فیض یاب

فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی حکمت سے گمراہی پر ڈال دیتا ہے۔ وہ جو کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا بلکہ صرف بندوں سے ہی پوچھا جائے گا۔

سوال نمبر: ۴۶ آپ اللہ تعالیٰ کا تعارف کن الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں؟

جواب جیسے اس نے اپنے آپ کو اپنی کتاب عزیز میں بیان فرمایا ہے اور جس طرح اس کے رسول ﷺ نے اسے بیان فرمایا ہے جس میں کوئی تحریف اور کوئی تعطیل نہ ہو، جس میں کوئی کیفیت اور تمثیل بھی نہ ہو۔

تحریف

سوال نمبر: ۴۷ تحریف کیا ہے؟ اس کی اقسام کون کون سی ہیں؟ ہر قسم کی مثال کیا ہو سکتی ہے؟

جواب تحریف دراصل تغیر وتبدل کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفات باری تعالیٰ کے الفاظ کو یا ان کے معانی مطالب کو تبدیل کرنا تحریف کہلاتا ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم لفظی تحریف:

لفظ کو کسی زیادتی، کمی یا شکل کی تبدیلی کے ساتھ بدل دینا اور یہ بالکل ویسے ہے جیسے جہمیہ کا استوی کو استولیٰ کہنا ہے یعنی لام کے اضافے کے ساتھ اور یہود کا لفظ حطۃ کہنا جب انہیں کہا گیا تھا کہ حطہ کہیں۔ اور بعض بدعتیوں کا ”وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا“ میں اللہ لفظ الجلالہ پر زبر پڑھنا اور ان لوگوں کا فرمان الٰہی وَجَاءَ رَبُّكَ میں یہ معنیٰ لینا وَجَاءَ اَمْرُ رَبِّكَ۔

دوسری قسم

معنوی تحریف: یعنی لفظ کو اس کی اصلی حالت اور صورت پر باقی رکھتے ہوئے اس کے معنیٰ مطلب کو تبدیل کرنا۔ اس کی مثال جیسا کہ بعض اہل بدعت نے غضب کی تفسیر انتقام کے

ارادہ سے کی ہے اور لفظ رحمت کا معنیٰ انعام کا ارادہ کیا ہے۔ اور انہوں نے لفظ ید سے قدرت مراد لی ہے اور اسی طرح ان کا لفظ تکلیم سے تجرتح کے ساتھ تفسیر بیان کرنا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے یوں فرمایا ہے:

أُمِرَ الْيَهُوْدُ بِأَنْ يَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ
فَأَبَوْا وَقَالُوْا حِنْطَةٌ لِهَوَانٍ

یہود کو حطۃ (معاف کردے) کہنے کا حکم دیا گیا تھا انہوں نے یہ لفظ کہنے سے انکار کر دیا اس کی جگہ ذلیل وحقیر بنتے ہوئے 'حنطہ' (گندم گندم) کہنا شروع کیا۔

وَكَذٰلِكَ الْجَهْمِيُّ قِيْلَ اسْتَوٰى
فَأَبٰى وَزَادَ الْحَرْفَ لِلنُّكْرَانِ

اور اسی طرح فرقہ جہمیہ والوں کو کہا گیا استویٰ (اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا) انہوں نے بھی انکار کیا اور اسی بنا پر ایک حرف کا اضافہ کر دیا (اور یوں کہا استولیٰ یعنی غالب اور قابض ہوگیا)۔

نُوْنُ الْيَهُوْدِ وَلَامُ جَهْمِيٍّ هُمَا
فِيْ وَحْيِ رَبِّ الْعَرْشِ زَائِدَتَانِ

یہودیوں کا 'نون' اور جہمیوں کا 'لام' دونوں ہی عرش والے رب کی وحی میں زائد ہیں۔

تعطیل

سوال نمبر: ۴۸ تعطیل کیا ہے؟ اس کے اور تحریف کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب یہ لفظ علل سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ خالی، فارغ اور ترک کرنا ہے۔ لیکن یہاں پر اس کا معنیٰ صفات الٰہی کی نفی کرنا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت نہ سمجھنا مراد ہے۔
ان دونوں کے مابین باہمی فرق یہ ہے کہ تعطیل، اس حقیقی معنیٰ کی نفی کرنا ہے جس پر کتاب وسنت رہنمائی کر رہے ہیں۔ جبکہ تحریف، کتاب وسنت کے الفاظ کی تفسیر باطل معانی کے ساتھ کرنا ہے۔

سوال نمبر: ۴۹ تعطیل کی اقسام کون کون سی ہیں اور کتنی ہیں؟

جواب اس کی تین اقسام ہیں:

① اللہ تعالیٰ کے کمالات مقدسہ کی تعطیل کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اور صفات عالیہ کو معطل قرار دینا جیسا کہ جہمیہ، معتزلہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کا وطیرہ ہے۔

② اس کے ساتھ معاملہ کو معطل قرار دینا یعنی اس کی عبادت ترک کر دینا یا اس کے ساتھ کسی غیر کی بھی عبادت کرنا۔

③ کسی مصنوع چیز کو اس کے صانع سے فارغ اور خالی بیان کرنا جیسے کہ ان فلاسفہ کی تعطیل ہے جو اس کائنات کی اشیاء کو قدیمی گمان کرتے ہیں، اور ان کا یہ کہنا ہے کہ تمام اشیاء اپنی طبیعت اور فطرت کے اعتبار سے مصروف کار ہیں۔ یہ تو تمام غلط باتوں میں سے سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ کیونکہ کائنات میں کوئی ایسی ذات ہی نہیں پائی جاتی جس میں صفات نہ ہوں۔

سوال نمبر: ۵۰ وہ کون سا آدمی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی تعطیل میں سب سے پہلے مشہور ہوا۔

جواب وہ جعد بن درہم ہے، اس سے یہ باطل نظریات اس کے شاگرد جہم بن صفوان نے حاصل کر لیے، جن کا اس نے خوب چرچا کیا۔ جعد کو خالد بن عبداللہ القسری نے اپنے زمانہ کے علماء کرام سے مشورہ کرنے کے بعد قتل کر دیا تھا۔ اس نے عیدالاضحیٰ کے روز کچھ اس طرح خطبہ دیا:

> ''اے لوگو! تم اپنی اپنی قربانیاں کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری قربانیوں کو شرف قبولیت سے نوازے، میں تو آج جعد بن درہم کی قربانی کرنے والا ہوں کیونکہ وہ یہ جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں فرمایا۔''

پھر وہ منبر سے نیچے اترا اور اسے ذبح کر دیا۔ اور یہ دوسری صدی ہجری کے شروع کی بات ہے، رہا معاملہ جہم بن صفوان کا تو اسے امیر خراسان مسلم بن احوز نے قتل کیا تھا۔

تکییف

سوال نمبر: ۵۱ تکییف کی وضاحت کریں تمثیل پر بھی روشنی ڈالیں پھر اس کی اقسام

اور مثالیں بھی بیان کر دیں؟

جواب تکییف (کیفیت) صفت کی اصلیت اور حقیقت کے تعین کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے "کیف الشیٔ" یعنی اس کی ایک معلوم کیفیت مقرر کی۔

اور تمثیل تشبیہ دینے کو کہتے ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

① مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینا جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح ابن مریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی ہے فرمان الٰہی ملاحظہ فرمائیں:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ (۵/ المائدة:۱۷)

"یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔"

اور یہودیوں نے حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور مشرکین نے اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی۔

② خالق و مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا اور یہ 'فرقہ مشبہہ' کی تشبیہ کی مانند ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ مخلوق کے چہرے کی مانند ہے، ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی مثل ہے، سننا، مخلوق کے سننے کی طرح ہے اسی طرح دیگر صفات میں ان کا یہ دعویٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی ایسی باتوں سے بہت ہی بلند ہے۔

سوال نمبر: ۵۲ فرمان الٰہی ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (۴۲/ الشوریٰ: ۱۱) "اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سنتا دیکھتا ہے۔" سے جو معنیٰ آپ سمجھ رہے ہیں وہ بیان کریں؟

جواب اس آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی مشابہت سے منزہ اور پاک ہے۔ وہ نہ ہی تو اپنی ذات میں نہ ہی اپنی صفات میں، اور نہ ہی اپنے افعال میں کسی دوسرے کی مانند اور مثل ہے۔

اس آیت کریمہ کے پہلے حصے یعنی "لیس کمثلہ شيءٌ" میں مشبہہ فرقہ کی تردید ہے اور اس کے آخری حصے یعنی 'وهو السميع البصير' میں 'معطلہ' فرقہ کی تردید ہے اور اس میں صفت سمع اور صفت بصر کا اثبات بھی ہے۔

اس آیت کریمہ کے پہلے حصے میں اجمالا نفی ہے جبکہ آخری حصے میں تفصیلا اثبات ہے۔ آیت مبارکہ میں اشاعرہ فرقہ کی بھی تردید ہو رہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا انکار کرتے ہیں اور بعض صفات کا اقرار کرتے ہیں، وہ برعکس باتیں کرنے والے لوگ ہیں۔ اسی طرح یہ آیت مبارکہ معتزلہ فرقہ کی بھی تردید کر رہی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر سمع کے سمیع ہے اور بغیر بصر کے بصیر ہے اس طرح باقی صفات میں (یہ ان کا قول ہے)

الاسماء الحسنیٰ

سوال نمبر: ۵۳ الاسماء الحسنیٰ، کی مثالیں بیان کریں؟

جواب الله، الحي، القيوم، العلي، العظيم، الرحمن، الرحيم، الغفور، الملك، القدوس، السلام، المهيمن، العزيز، الجبار، المتكبر، الخالق، الباري وغيره۔

سوال نمبر: ۵۴ اللہ تعالیٰ کے سب نام 'حسنیٰ' یعنی اچھے اچھے سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ سب محکم ہیں؟ کیا ان ناموں میں وصفی معنیٰ علم کے منافی ہے؟ اس کی بھی وضاحت کریں۔

جواب ان سب ناموں کو حسنیٰ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ احسن مسمی (سب سے خوبصورت ذات) اور اشرف مدلول (سب سے اعلیٰ مقصود ذات) پر دلالت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سب نام علم بھی ہیں اور اوصاف بھی ہیں۔ ان میں وصفی معنیٰ کا پایا جانا علم کی نفی نہیں، بخلاف بندوں کے اوصاف کے۔ اللہ تعالیٰ کے سبھی اسماء اپنے اپنے معانی پر دلالت کرنے والے ہیں، اور تمام کے تمام مدح وحمد اور ثناء کے اوصاف بھی ہیں۔

یہ سب نام محکم آیات سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ ان کے معانی مطالب لغت عرب میں بالکل واضح ہیں۔ صرف ان اسماء کی کیفیت ان امور میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ خاص میں رکھنے کو ترجیح دی ہے۔

سوال نمبر: ۵۵ الاسماء الحسنیٰ پر ایمان رکھنے کے ارکان کون کون سے ہیں؟ ان کی

مثالیں بھی ذکر کریں۔

جواب ان پر ایمان رکھنے کے تین ارکان ہیں۔

① ناموں پر ایمان لانا۔

② ان معانی پر ایمان رکھنا جن پر یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

③ اور جن اثرات کے ساتھ یہ الفاظ تعلق رکھتے ہیں ان پر ایمان لانا۔

مثلاً ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ رحیم ہے، رحمت والا ہے، اس کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، وہ قدیر ہے، قدرت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، وہ علیم ہے علم والا ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے وہ غفور ہے بخشنے والا ہے وہ اپنے بندوں کو بخشتا ہے۔

سوال نمبر: ۵٦ کیا اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں؟ اگر یہ توقیفی ہیں تو ان کے معنی و مطلب کیا ہے؟

جواب جی ہاں یہ سب توقیفی ہیں؟ کتاب وسنت میں وارد اسماء سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ صرف سننے (منقول) کے ذریعے ہی سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ آراء و خیالات سے وضع نہیں کیے جا سکتے۔ بس وہی نام بیان کیے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے یا اس کے رسول ﷺ نے اس ذات باری تعالیٰ کے لیے بیان کیے ہیں اللہ تعالیٰ کی صرف وہی صفات بیان کی جائیں گی جو اس نے اپنی ذات کے لیے یا اس کے رسول ﷺ نے اپنے رب کی ذات کے لیے بیان فرمائی ہیں۔

اس لیے یہ سب نام توقیفی ہیں ان میں کسی استحسان اور کسی اجتہاد کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

سوال نمبر: ۵۷ الاسماء الحسنیٰ کی دلالت کی اقسام کون کون سی ہیں؟ انہیں مثالوں سے واضح کریں۔

جواب ان کی دلالت کی تین اقسام ہیں۔

① دلالت مطابقت: جب ہم کسی نام کے تمام مدلولات کے ساتھ تفسیر بیان کریں۔

② ضمنی دلالت: جب ہم اس نام کے بعض مدلولات کے ساتھ تفسیر بیان کریں۔

③ التزامی دلالت: جب ہم اس نام کے ذریعے کچھ دوسرے ناموں پر استدلال کریں۔

مثلاً لفظ رحمٰن ۔ رحمت اور ذات الٰہی پر دلالت کرتے ہیں تو یہ دلالت مطابقت ہے۔ ان میں سے کسی ایک پر دلالت ضمنی ہے۔ کیونکہ دوسرا بھی ضمناً اس میں داخل ہے، جب اس لفظ سے باقی دوسرے ناموں پر دلالت اسی طرح کریں رحمت تبھی ممکن ہوگی جب دوسرے بھی ثابت ہوں گے مثلاً حیات، علم، کہ قدرت اور دیگر اسماء تو یہ الزامی دلالت ہوگی۔

سوال نمبر: ۵۸ کیا اللہ کے نام ایک دوسرے کے مترادف ہیں یا یہ متضاد ہیں؟ اس کی وضاحت کریں۔

جواب اللہ تعالیٰ کی ذات کا اعتبار کرتے ہوئے یہ مترادفات میں سے ہیں۔ کیونکہ سب سے مقصود ایک ہی ذات ہے۔ اور صفات کا اعتبار کرتے ہوئے یہ الفاظ متضاد سمجھے جائیں گے کیونکہ ہر صفت دوسری صفت سے الگ ہے۔

سوال نمبر: ۵۹ کیا اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تعداد مخصوص ہے اور؟ کیا حدیث مبارکہ میں حصر (مکمل عدد) بیان ہوا ہے؟

جواب اسماء الٰہی کی تعداد مخصوص نہیں ہے رہی وہ حدیث مبارکہ جس میں الفاظ ہیں:

((إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) [1]

''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم سو جس نے انہیں یاد کیا جنت میں داخل ہوگیا۔

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ نام صرف ننانوے ہی ہیں، اس سے تو صرف یہ مقصود ہے کہ یہ وصفی نام جو بھی شمار کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

سوال نمبر: ۶۰ اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی کو شمار کرنے کے مراتب کون کون سے ہیں جنہیں شمار کرنے پر انسان جنت میں داخل ہوگا؟

جواب اس کے تین مراتب ہیں:

① انہیں زبانی یاد کرنا۔

② انہیں سمجھنا

③ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، دعائے عبادت بھی ہو اور دعائے سوال بھی ہو۔

---

[1] بخاری، کتاب الشروط، باب ماجاء من الإشتراط: ۲۷۳۶۔

دعائے سوال زبان سے ہوگی جبکہ دعائے عبادت زبان حال سے ہوگی۔

سوال نمبر: ٦١ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کو شمار کرنا اور ان کا علم حاصل کرنا کس طرح تمام معلومات کے لیے اصل اور بنیادی علم بنتا ہے؟

جواب اس لیے کہ تمام قدری اور شرعی معلومات ان اسماء الٰہی اور صفات الٰہی سے پھوٹتی اور صادر ہوتی ہیں۔ اسی لیے تمام اسماء و صفات انتہائی درجہ مضبوط، پختہ، خیر و اصلاح اور نفع رسانی پر مبنی ہیں۔

سوال نمبر: ٦٢ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ دعا کرنے والا کس نام کے ساتھ دعا کرے؟

جواب دعا کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی مطلوبہ ضرورت کے مناسب نام کا وسیلہ بنا کر اس کا تقرب حاصل کرے گویا کہ دعا کرنے والا اس نام کے واسطے سے اس کی جناب میں سفارش پیش کر رہا ہے۔ لہٰذا بخشش طلب کرنے والے کو چاہیے کہ یوں کہے: یا غفار اغفرلی (اے بخشنے والے مجھے بخش دے) رحمت کے طلب گار کو یا رحمن ارحمنی کہنا چاہیے اور رزق کے متلاشی کو یا رزاق ارزقنی کہنا مناسب ہے، اور توبہ کرنے والے کو یا تواب تب علی کہنا زیادہ بہتر ہے اسی طرح باقی حاجات و مطالبات (والے بھی کہیں)۔

سوال نمبر: ٦٣ جب کوئی اسم مدح وذم دونوں جانب منقسم ہوتا ہے تو کیا اسماء باری تعالیٰ میں وہ داخل ہوسکتا ہے؟ اس کی کوئی مثال؟

جواب مطلق طور پر ایسا کوئی نام اس کے اسماء حسنیٰ میں داخل نہیں ہوسکتا جیسے کہ مرید، صانع، فاعل، یہ نام قابل مدح اور مذمت دونوں پہلوؤں میں منقسم ہونے کی بنا پر اسماء حسنیٰ میں شامل نہیں ہیں، بلکہ ایسے ناموں میں فقط کمال درجہ اچھے پہلو کو ہی اس کی ذات پر اطلاق کیا جائے گا۔

سوال نمبر: ٦٤ کیا دو ناموں کے اتحاد سے، باہم دو مماثل ذاتوں کا تصور پیدا ہوتا ہے؟ مثالوں سے اس کی وضاحت کریں۔

جواب ایسے دو ناموں سے باہم تماثل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کو بعض ایسے اسماء سے موسوم ٹھہرایا ہے کہ انہی ناموں کے ساتھ اس کی کچھ مخلوق کو بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو بعض ایسی صفات کے ساتھ متصف کیا ہے کہ ان صفات کے ساتھ ہی مخلوق میں سے بعض کو متصف قرار دیا جاتا ہے، تو ایسی صورت حال میں تشبیہ لازم نہیں آتی۔ اس نے اپنے نفس کو سمع، بصر، علم اور قدرت والی صفات سے متصف بیان کیا ہے۔ پر اس نے بذات خود اپنی مخلوقات میں سے بعض کو انہیں صفات سے بیان کیا ہے۔ تو مخلوق میں سے سمیع، اللہ تعالیٰ کے سمیع ہونے کی طرح نہیں ہے اور مخلوق میں سے بصیر، اللہ تعالیٰ کے بصیر ہونے کی طرح نہیں ہے، اس میں حقیقی بات یہ ہے کہ ہر موصوف کی صفات اس کی ذات کے مناسب اور لائق ہیں۔ تو جس طرح خالق اور مخلوق کی ذاتوں میں کوئی مناسبت نہیں اسی طرح ان دونوں کی صفات میں بھی کوئی مشابہت ومماثلت نہیں ہے۔

سوال نمبر: ۶۵ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء مبارکہ کی کوئی مثال ذکر کریں جو ایک دوسرے کے مقابل ہونے کے ساتھ ساتھ باہم ملے جلے اور ظاہری طور پر جوڑا جوڑا ہیں جن میں سے کوئی ایک اسم دوسرے سے جدا کر کے نہیں بولا جا سکتا صرف دوسرے سے ملا کر ہی بولا جاتا ہے۔ صرف ایک اسم کو بولنے میں کیا خطرہ ہے؟

جواب ایسے ناموں کی چند مثالیں یہ ہیں: المانع، المعطی، الضار، النافع، المذل، المعز، القابض، الباسط، الخافض، الرافع وغیرہ۔ ایسے باہم ملے جلے اسماء میں سے کسی ایک کو منفرد طور پر الگ استعمال نہ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ایسی صورت حال میں نقص وعیب کا وہم پیدا ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس کمزوری سے پاک اور بلند ہے اور حقیقی کمال کی اعلیٰ واکمل شکل وصورت دونوں ناموں کو اکٹھا رکھنے میں ہی موجود ہے۔

صفات کی اقسام

سوال نمبر: ۶۶ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کتنی قسمیں ہیں؟ ہر قسم کی ایسے انداز میں توضیح

کریں جو اسے دوسری سے نمایاں اور ممتاز کر دے۔

جواب ان کی دو اقسام ہیں:

❶ ذاتی صفات: جو اللہ تعالیٰ سے کسی حالت میں بھی جدا اور الگ نہیں ہوتیں۔

❷ فعلی صفات: جو اللہ تعالیٰ کی مشیت وقدرت سے تعلق رکھتی ہیں۔

سوال نمبر: ۶۷ ذاتی صفات اور فعلی صفات کی مثالیں ذکر کریں۔

جواب ذاتی صفات کی مثالیں: علم، حیات، قدرت، سمع، بصر، چہرہ، ہاتھ، انگلی، قدم، پاؤں، ملکیت، عظمت، کبریائی، عزت، بلندی، قدم، بے نیازی، رحمت اور کلام وغیرہ۔

جبکہ فعلی صفات یہ ہیں۔ استواء، اترنا، آنا، ہنسنا، راضی ہونا، تعجب کرنا، ناراض ہونا، زندہ کرنا، مارنا، خوش ہونا، غصے ہونا، ناپسند کرنا، محبت کرنا وغیرہ تو ان صفات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ نوع کے اعتبار سے قدیم ہیں جبکہ وقوع کے اعتبار سے نئی ہیں۔

سوال نمبر: ۶۸ کیا صفات الٰہی میں بات کرنا اس کی ذات کے متعلق بات کرنے کے مخالف ہے؟

جواب صفات میں بات کرنا بالکل ذات کے متعلق بات کرنے کی ہی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جس سے باقی ذاتیں مشابہت نہیں رکھتیں بالکل اس طرح اس کی صفات ہیں، دوسروں کی صفات ان سے مشابہت نہیں رکھتیں کیونکہ صفات تو ذات کی فرع ہوتی ہیں جو بالکل ذات جیسی ہی ہوتی ہیں تو بعض صفات میں گفتگو کرنا بالکل ذات میں گفتگو کرنے کی مانند ہوگا۔

آیات واحادیث میں بیان شدہ صفات میں ممکنہ مذاہب

سوال نمبر: ۶۹ آیات اور احادیث صفات کے متعلق مذاہب کی اقسام بیان کریں۔

جواب ان مذاہب کی چھ قسمیں ہیں۔

علما کا قول ہے کہ دو مذاہب صفات ظاہریہ سے متعلق ہیں:

❶ ایک گروہ کے مطابق ان کا اپنے ظاہر پر جاری ہونا بغیر تشبیہ دیے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ کی

ذات کے لائق ہیں لہٰذا وہی معنیٰ ہی مراد لی جائیں گی، اور یہ لوگ سلف صالحین ہیں۔

❷ دوسری قسم میں 'مشبہ' فرقہ کے لوگ ہیں جو صفات اثبات میں غلو (زیادتی) سے کام لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ایسے ہی تصور کیا جائے گا جیسے مخلوق کی صفات ہیں۔ ان کا مذہب باطل ہے، سلف صالحین نے اسے بے بنیاد اور غلط قرار دیا ہے۔

دوسری قسم کے گروہ صفات کے ظاہر کی نفی کرتے ہیں جیسا کہ جہمیہ اور ان سے نکلنے والے مذاہب۔

① ان میں سے ایک گروہ تو ان صفات کی غلط معانی کے ساتھ تاویلیں کرتا ہے۔

② اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ان کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔

جبکہ دو اقسام کے لوگ خاموشی اختیار کرنے والے ہیں۔

① ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان سے مراد لینا جائز بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور شان کے لائق ہے۔ اور یہ بھی جائز ہوسکتا ہے کہ ان سے مراد صفت نہ ہو۔ یہ طریقہ بہت سے فقہاء وغیرہ کا ہے۔

② دوسرا گروہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے اور احادیث مبارکہ کی قرأت سے زائد کچھ نہیں کرتے بلکہ ان صفات کے معاملے میں اپنے قلوب اور اپنی زبانوں کو الگ رکھتے ہیں۔

مذکورہ تمام طرح کے لوگوں میں یقیناً سلف صالحین کا طریقہ ہی درست اور برحق ہے۔

آیات واحادیث میں وارد صفات کے متعلق واجب نظریہ

سوال نمبر: ۷۰ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلقہ آیات کے متعلق کیا حکم واجب ہے؟

جواب ان تمام صفات کو ثابت سمجھنا اور تکییف (کیفیت بیان کرنا) تمثیل (مثال بیان کرنا) تعطیل (نہ ماننا) تحریف (معانی بدل دینا) کے بغیر ان کی تصدیق کرنا۔

بعض نے کہا: تمام آیات صفات کا معاملہ اور حکم حق اور سچ ہے جیسا کہ پہلے نقل ہو چکا ہے۔

اسماء وصفات میں الحاد کی پہچان

سوال نمبر: ۷۱ اسماء اور صفات باری تعالیٰ میں الحاد کیا ہے؟ اور اس کی کون کون سی اقسام ہیں؟

جواب الحاد کا معنیٰ مائل ہونا اور جھک جانا ہے۔ یعنی ان اسماء اور صفات کے الفاظ، حقائق اور ان کے معنی کے متعلق ثابت شدہ حق بات سے شرک، تعطیل اور کفر کی جانب مائل ہو جانا ہے۔ مذکورہ الحاد کی پانچ قسمیں ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کو ایسے نام سے موسوم کرنا جو اس کی عظمت وجلال کے لائق نہ ہو جیسا کہ نصاریٰ کا اسے باپ کہنا۔ اور فلاسفہ کا اسے موجبا بذاتہ کہنا۔

② ان ناموں اور صفات کے ساتھ مخلوقات میں سے کسی کا نام رکھنا جیسا کہ ان کافروں کا الٰہ سے لات یا العزیز سے العزیٰ نام بنا لینا۔

③ ایسی صفات سے اللہ تعالیٰ کو متصف ماننا جن سے وہ پاک اور منزہ ہے جیسا کہ یہودیوں نے کہا (اللہ تعالیٰ ان کا برا کرے اور ان پر لعنت کرے)...... اللہ تعالیٰ فقیر ہے، یا ان کا کہنا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہے وغیرہ۔

④ اسماء الٰہی کو ان کے معانی سے معطل قرار دینا اور ان کی حقیقتوں کا انکار کرنا جیسا کہ کوئی یوں کہے کہ یہ تو صرف محض الفاظ ہیں جو صفات پر مشتمل ہیں اور نہ ہی معانی پر۔

⑤ اس کی صفات کو مخلوقات کی صفات کے مشابہ قرار دینا۔ اگرچہ مذکورہ تمام راستے الگ الگ ہیں لیکن الحاد میں سبھی مشترک ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق قیاس آرائی کا حکم

سوال نمبر: ۷۲ کیا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں قیاس جائز ہے؟

جواب یہ بات جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کو قیاس تمثیل یا قیاس شمول میں جس کے افراد اور اس کی جزئیات برابر ہوں شریک بنایا جائے، لیکن اس کے حق

میں اعلیٰ مثال استعمال کرنی جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر وہ صفت جو مخلوق کے لیے صفت کمال ہو تو خالق اس صفت کا اس سے بڑھ کر حقدار ہے اور ہر وہ عیب جو کسی مخلوق سے دور کرنا مناسب ہے تو اس عیب کو خالق سے دور کرنا اور اسے پاک قرار دینا ضروری ہے کیونکہ وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

(۳۰/ الروم:۲۷)

''اس کی بہترین اور اعلیٰ صفت ہے آسمانوں اور زمین میں بھی اور وہی عزت غلبے والا اور حکمت والا ہے۔''

سوال نمبر: ۴۷ اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل سے عزت کی کونسی صفت سمجھ آتی ہے؟ اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کیوں بیان کیا ہے؟

﴿ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ﴾ (۳۷/ الصافات:۱۸۰۔۱۸۲)

''پاک ہے آپ کا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے ہر اس چیز سے جو مشرک بیان کرتے ہیں۔ پیغمبروں پر سلام ہے اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔''

جواب مصنف کا اس کو یہاں بیان کرنا بظاہر اس سابقہ گفتگو کی علت بیان کرنے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام کے لحاظ سے اکمل بیان اور مکمل ترین خیر خواہی میں سب سے بڑھ کر ہیں اور ان کا کلام عیوب ونقائص سے پاک ہوتا ہے جبکہ اور کسی کا کلام ایسا نہیں ہے۔

البتہ جو باتیں اس سے واضح ہو رہی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

① یہ آیات کریمہ ان ظالموں کی باتوں سے اللہ تعالیٰ کو بے عیب اور پاک بیان کر رہی ہیں۔

② انبیاء ورسل جو کچھ بھی لائے ہیں اس کے صحیح ہونے کا علم ہے کہ وہ حق اور سچ تھا اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

③ صفت ربوبیت کا اثبات ہو رہا ہے۔

④ صفت عزت کا اثبات ہو رہا ہے اور یہ اپنی تینوں اقسام کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ثابت ہے۔ یعنی قوت کی عزت، امتناع (باز رہنے) کی عزت وقہر کی عزت۔

اسی طرح ان آیات میں لفظ سبحان سے نقائص سے پاکی اور برأت، دلالت مطابقت کے انداز سے ثابت ہو رہی ہے، جو کہ کمال درجے کو ثابت کرنے میں لازم ہے۔ اسی طرح لفظ حمد سے بھی کمال دلالت مطابقت کے ساتھ ہی اثبات ہو رہا ہے یہ بھی نقائص سے پاک ہونے کو لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو یعنی تسبیح اور حمد کو یہاں ایک ہی جگہ میں جمع فرما دیا ہے، ان آیات سے صفت کلام بھی ثابت ہو رہی ہے اور مخالفین کی تردید بھی ہو رہی ہے۔

سوال نمبر: ۷۴ یہ آیت مبارکہ کس طرح توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہے؟

جواب اس کی تفصیل امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے کہ حمد توحید کی تینوں اقسام کو شامل ہے کیونکہ محمود کی ستائش، اس کی صفات کمال اور نعوت جلال کو بیان کرنے، اس کے ساتھ محبت رکھنے، اس سے راضی رہنے اور اس کے حضور عاجزی پیش کرنے کا نام ہے اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ، الٰہ کسی طرح بھی صفات کاملہ سے خالی اور عاری نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایسا شخص تو مذموم اور معیوب ہو گا، اس کی حمد تو ہو نہیں سکتی بلکہ حمد تو صرف اس کی ہو گی جس کے پاس کمال درجے کی خوبیاں اور عظمت کی حامل اعلیٰ صفات ہوں گی جن کی بنا پر وہ حمد وستائش کا حقدار ٹھہرے گا۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں۔

نفی اور اثبات

سوال نمبر: ۷۵ کتاب وسنت کی وہ نصوص جو صفات باری تعالیٰ پر مشتمل ہیں ان کے بارے میں نفی اور اثبات کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا کیا موقف ہے؟

جواب اس معاملہ میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی کو مدنظر

رکھتے ہوئے اجمالاً نفی کرتے ہیں۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (۴۲/ الشوریٰ: ۱۱)

''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔''

اور پھر اثبات میں تفصیلاً اثبات کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اقدس کو پیش نگاہ رکھتے ہیں:

﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (۴۲/ الشوریٰ: ۱۱)

''وہ سنتا دیکھتا ہے۔''

پس وہ تمام اسماء اور صفات جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے یا اس کے رسول ﷺ نے اس ذات اقدس کے لیے ثابت کیا ہے اہل سنت والجماعت اس کے لیے ثابت کرتے ہیں جس طرح اس کی ذات گرامی، اس کے جلال اور اس کی عظمت کے لائق ہے۔

سوال نمبر: ۷۶ نفی کرنے سے کیا مقصود ہوتا ہے؟ کیا اس میں کمال ہوتا ہے یا مدح؟ اس کی مثال دے کر وضاحت بیان کریں۔

جواب نفی کرنے سے دوسری چیز یعنی اس کا دوسرا پہلو مقصود ہوتا ہے اور وہ اثبات ہے جو اس کا برعکس کمال درجے کا پہلو ہے۔ شریک، اور نظیر کی نفی کرنے سے اس کی کمال درجہ کی عظمت کو ثابت کرنا مقصود ہے۔ صفات کمال کے ساتھ اس کی وحدانیت کو ثابت کرنا مقصود ہے۔ اس ذات سے عجز (کمزوری) کی نفی کرنے سے اس کی قدرت کے کمال درجے کو ثابت کرنا مقصود ہے۔ اس سے اونگھ اور نیند کی نفی کرنے سے اس کی کمال درجے کی حیات (زندگی) اور اس کی صفت قیومیت (قائم ہونا) کو بیان کرنا مقصود ہے، اس سے بے کار اور بے مقصد کاموں کی نفی کرنے سے اس کی حکمت تامہ کے کمال کو بیان کرنا مطلوب ہے۔

محض نفی نہ تو کوئی مدح سرائی ہے اور نہ کمال کی شناسائی مگر جب اس کے ساتھ اثبات کو شامل کیا جائے تو پوری بات سمجھ آتی ہے۔ کہ ہر وہ نقص وعیب جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود سے نفی فرمائی ہے یا اپنی مخلوقات میں سے کسی کی اپنے

خصائص میں شراکت کی نفی فرمائی ہے تو اس سے مقصود اس کے مد مقابل کمال درجے کی صفات کو ثابت کرنا ہے۔

سوال نمبر: ۷۷ صراط مستقیم کیا ہے؟

جواب کہا گیا ہے کہ یہ قرآن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے بعد آپ کے دونوں ساتھی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسلام ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ صراط مستقیم کی تفسیر میں جامع قول یہ ہے کہ وہ راستہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی اپنے بندوں کے لیے تجویز فرمایا ہے اور اپنے بندوں کے لیے اپنے تک پہنچنے کے لیے اسے مقرر فرما دیا ہے، کہ اس راستے کے سوا کوئی دوسرا راستہ ان کے لیے نہیں ہے وہی ذات ہی تنہا بندگی کے لائق ہے اور اس کے رسول تنہا اطاعت و اتباع کے حق دار ہیں "أشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله" کی شہادت کا بھی یہی مضمون ہے۔ اس کا نکتہ اور اس کی گرہ یہ ہے کہ تو اس سے اپنے دل کی گہرائیوں سے محبت رکھے اور اپنی پوری کوشش سے اسے راضی رکھے حتی کہ تیرے دل کا ہر گوشہ اس کی محبت سے لبریز ہو اور تیرا ہر ارادہ اس کی رضا اور خوشنودی سے منسلک ہو۔ یہی ہدایت اور دین حق ہے یہی معرفت حق ہے اور اسی کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے رسولوں کی من جانب اللہ لائی ہوئی باتوں کو پہنچانا اور ان کا پوری طرح اہتمام کرنا ممکن ہے۔ اس مضمون کو بیان کرنے کے لیے آپ جو چاہیں جملے استعمال کر لیں جو اسے بخوبی بیان کر سکیں اور اس چکی کے پاٹ گھما سکیں۔

سوال نمبر: ۷۸ صراط (راستے) کی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف اور کبھی بندوں کی طرف اضافت کیوں کی جاتی ہے؟ کبھی اسے مفرد معرفہ اور کبھی اضافت کے ساتھ نکرہ کیوں لایا جاتا ہے؟

جواب لفظ "صراط" کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف تو اس لیے ہے کہ اس نے ہی اسے مشروع فرمایا اور مقرر فرمایا ہے، رہا بندوں کی طرف اس کی اضافت کا معاملہ تو

اس لیے کہ وہ اس راستے پر چلنے والے ہیں۔ اسے مفرد معرفہ یا کبھی اضافت کے ساتھ بھی بیان کرنے میں مقصود یہ ہے کہ اس کی تعیین اور تخصیص کر دی جائے اور یہ باور کروا دیا جائے کہ یہ ایک ہی راستہ ہے بخلاف اہل ضلالت کے راستوں کے وہ زیادہ اور سب جدا جدا ہیں۔

سورۃ الاخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے

سوال نمبر: ۷۹ سورۃ الاخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر کیوں ہے؟

جواب کیونکہ قرآن کریم تین بنیادی اور اساسی مقاصد پر مشتمل ہے۔

① علوم الاحکام والشرائع (امر ونہی)

② گزشتہ انبیاء کے اپنی امتوں کے ساتھ ہونے والے واقعات اور ان کی خبروں کی تفصیلات۔

③ توحید کے علوم اور جو لوگوں پر اپنے اللہ کے اسماء اور صفات کی معرفت کے معاملے میں واجب عقائد ہیں۔

مذکورہ تینوں مقاصد میں سے آخر الذکر ہی سب سے بلند اور اعلیٰ مقصد ہے، اور یہ سورۃ مبارکہ اسی تیسرے بلند ترین مقصد اور اصول پر مشتمل ہے۔ اجمالی طور پر اس پورے اصول کی تفصیلات کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ یہ مختصر سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے، شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ میں لکھا ہے:

وَالْعِلْمُ بِالرَّحْمٰنِ أَوَّلُ صَاحِبٍ

وَأَهَمُّ فَرْضِ اللّٰهِ فِيْ مَشْرُوْعِهٖ

''رحمن کے متعلق معلومات حاصل کرنا سب سے اول ساتھی ہے بلکہ یہی اس کے مشروع کردہ فرائض میں سے سب سے اہم ترین فریضہ ہے۔''

وَأَخُو الدِّيَانَةِ طَالِبٌ لِّمَزِيْدِهٖ

أَبَدًا وَلَمَّا يَنْهِهٖ بِقُطُوْعِهٖ

''اور ایک مذہبی اور دیندار آدمی تو ہمیشہ ان معلومات میں اضافہ کا ہی طالب رہتا ہے وہ کسی صورت ان باتوں سے الگ رہ کر شکم سیر نہیں ہوسکتا۔''

وَالْمَرْءُ فَاقتهٗ اِلَيْهِ أَشَدُّ مِنْ
فَقْرِ الْغَذَاءِ لِعِلْمِ حِكْمِ صَنْعِهٖ

''آدمی کو کھانے کی حاجت سے کہیں زیادہ اس رحمٰن کی معرفت کی حاجت ہے کیونکہ وہ اس کے احسانات بے پناہ استعمال کرتا ہے۔''

فِيْ كُلِّ وَقْتٍ وَالطَّعَامُ فَاِنَّمَا
يَحْتَاجُهٗ فِيْ وَقْتِ شِدَّةِ جُوْعِهٖ

''جس کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے جبکہ کھانے کی حاجت وضرورت تو فقط بھوک کی شدت میں ہوتی ہے۔''

وَهُوَ السَّبِيْلُ اِلَى الْمَحَاسِنِ كُلِّهَا
وَالصَّالِحَاتِ فَسَوْأَةٌ لِّمُضِيْعِهٖ

''تمام محاسن اور اچھائیوں کو حاصل کرنے کا یہی ایک راستہ ہے لہٰذا اسے ضائع کرنے والے کے لیے خرابی ہی خرابی ہے۔''

سوال نمبر: ۸۰ اس سورۃ کا نام سورۃ الاخلاص کیوں رکھا گیا ہے اور اس سورۃ مبارکہ سے توحید کی تینوں اقسام پر کس طرح دلیل پکڑی جاسکتی ہے؟۔

جواب اس لیے کہ یہ سورۃ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے اوصاف اور صفات کو بیان کر رہی ہے، اور یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو عملی اعتقادی شرک سے پاک کر دیتی ہے۔

رہا اس کا توحید کی تینوں اقسام پر دلالت کرنا تو اس سورت کی توحید الوہیت اور عبادت پر دلالت تو التزامی ہے جبکہ توحید ربوبیت پر اس کی دلالت ضمنی ہے اور توحید اسماء وصفات پر اس کی دلالت مطابقی ہے یعنی دلالت مطابقت ہے۔

کیونکہ دلیل کی دلالت اگر اس کی تمام جزئیات پر مشتمل ہو تو اسے دلالت مطابقت کہا جاتا ہے اگر اس کے بعض اجزاء پر دلالت ہو تو اسے ضمنی دلالت سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر اس

کے خارجی لوازمات پر دلالت کرے تو اسے التزامی دلالت کا نام دیتے ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

سوال نمبر: ۸۱ اس سورۃ مبارکہ کو یہاں ذکر کرنے سے مصنف کی کیا مراد ہے؟۔ نیز الاحد، الصمد اور الکفو کے معانی کو بھی بیان کریں۔

جواب مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس لیے یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ سورۃ نفی اور اثبات دونوں ارکان توحید پر ہی مشتمل ہے کیونکہ یہ اس قانون ضابطے کے لیے گواہ ہے جسے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام بیان کردہ اسماء اور صفات کو جن سے اپنی ذات کو موسوم اور متصف ٹھہرایا ہے نفی اور اثبات میں بیان فرمایا ہے۔

الاحد کا معنیٰ واحد ہے جس کا کوئی نظیر ہو اور نہ ہی کوئی وزیر، جس کا کوئی شریک ہو اور نہ ہی کوئی شبیہ اور جس کی کوئی برابری کرنے والا بھی نہ ہو، اثبات کرنے کے لیے اس لفظ کا اللہ کے علاوہ کسی اور پر اطلاق نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہی اپنی تمام صفات کاملہ اور اپنے افعال میں کامل ہے۔ الصمد کا معنیٰ وہ ذات جس کی جانب تمام مخلوقات اپنی حاجات اور اپنے مسائل میں رجوع کرتے اور اسی کا سہارا لیتے ہیں۔

اور الکفو کا معنیٰ برابری کرنے والا اور ہم پلہ ہے۔

سوال نمبر: ۸۲ سورۃ الاخلاص سے حاصل ہونے والے مسائل کون کون سے ہیں؟

جواب اس سے مندرجہ ذیل مسائل اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

1. اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات
2. اللہ تعالیٰ کے لیے کلام کا اثبات، اگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یا حضرت جبرائیل کا کلام ہوتا تو اس کے آغاز میں ''قل'' نہ ہوتا۔
3. نصاریٰ کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی اللہ کا بیٹا کہنے والے ہیں۔
4. مشرکین کی تردید ہے جو ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہنے والے ہیں۔
5. یہودیوں کا رد ہو رہا ہے کیونکہ اس میں اللہ نے خبر دی ہے اور وہ سب سے بڑھ کر سچا

ہے کہ اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ وہ خود جنا گیا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہم پلہ اور ہمسر ہے۔

6 اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کمال درجہ کا غنا، اس کی بے نیازی، پوری کائنات کی اس کی طرف محتاجی اور فقیری کا بیان ہے۔

7 لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کرنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔

آیت الکرسی

سوال نمبر: ۸۳ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا آیت الکرسی کو یہاں ذکر کرنا کس مقصد کے لیے ہے اور اس سے علماء کے استنباط کردہ کون کون سے مسائل آپ بیان کر سکتے ہیں؟۔

جواب اسے یہاں بیان کرنا بظاہر...... واللہ اعلم...... اس لیے ہے کہ یہ آیت نفی اور اثبات دونوں مضامین پر مشتمل ہے۔

اور اس سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہو رہے ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اثبات اور اس میں اس کے منفرد ہونے کا بیان۔

② صفت حیات کا اثبات اور یہ ذاتی صفات میں سے ہے۔

③ صفت قیومیت کا اثبات، قیوم کا معنی جو بذات خود قائم ہوا اور اپنے غیر سے بے نیاز ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کو قائم رکھنے والا ہو۔

اور یہ بھی وارد ہے کہ الحی القیوم دونوں اسم اعظم ہیں کیونکہ یہ دونوں نام صفات کمال پر سب سے بڑھ کر مشتمل ہیں، تمام کی تمام ذاتی صفات الحی نام کی طرف پلٹ رہی ہیں اور تمام کی تمام فعلی صفات القیوم نام کی جانب لوٹ رہی ہیں۔

④ اللہ تعالیٰ اونگھ آنے، نیند آنے اور عاجز آنے سے پاک ہے کیونکہ یہ چیزیں کمال حیات، کمال قیومیت اور کمال قدرت کے منافی ہیں۔

⑤ اس کے وسیع علم اور وسیع ملک کا اثبات ہے۔

⑥ اس کی اجازت کے ساتھ شفاعت کے روا ہونے کا اثبات۔

⑦ صفت کلام کا اثبات۔

⑧ صفت علم اور اس کے ماضی، حال اور مستقبل کی تمام باتوں کو احاطہ کرنے کا اثبات، اور اس بات کا اثبات کہ نہ تو وہ بھولتا ہے نہ غفلت کا شکار ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی کام اسے دوسرے کسی کام سے بے توجہ بناتا ہے۔

⑨ سکھانے میں وہی اللہ تعالیٰ ہی خاص ہے کیونکہ ساری کی ساری مخلوق کچھ بھی نہیں جانتی بس اتنا ہی جانتی ہے جتنا اللہ عزوجل نے انہیں سکھا دیا ہے۔

⑩ کرسی کی عظمت ان دلائل میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بیان کرنے والے ہیں۔

⑪ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے اقتدار کا اثبات۔

⑫ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفت علو کا اثبات۔

⑬ کمزور بات کی نفی سے قوی بات کی نفی کرنے کا بیان، کیونکہ جس پر اونگھ غالب نہ آ سکتی ہو اس پر نیند غالب کس طرح آ سکتی ہے۔

⑭ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اثبات۔

⑮ مشرکین کی اس بات کی تردید جو اپنے بتوں کی سفارش کے قائل ہیں۔

⑯ فرقہ قدریہ اور رافضیہ وغیرہ کی تردید جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے متعلق پہلے سے کچھ نہیں جانتا بلکہ ان کے واقع ہونے کے بعد جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس جاہلانہ بات سے بہت ہی بلند ترین ہے۔

⑰ ان لوگوں کی تردید جو گمان کرتے ہیں کہ کرسی سے مراد اس کا علم ہے یا اس کی قدرت ہے یا اس کا ملک ہے۔ اس طرح کے دیگر اقوال باطلہ کی تردید جو اہل بدعت نے بیان کیے ہیں۔

سوال نمبر: ۸۴ کتاب اللہ میں آیت الکرسی ہی سب سے عظیم ترین آیت کیوں ہے؟۔

جواب اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ اور بلند صفات پر مشتمل ہے جو اسماء و

صفات اس آیت میں جمع کیے گئے ہیں وہ کسی دوسری آیت میں نہیں ہیں، تو ان خوبیوں کی بنا پر یہ آیت اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اسے کتاب اللہ کی سب سے عظیم ترین آیت کہا جائے۔ لہٰذا اسے تدبر اور سوچ بچار سے پڑھنے والے کا حق بنتا ہے کہ وہ یقین، عرفان اور ایمان سے معمور ہو جائے تاکہ وہ ان خصوصیات کی بدولت شیطان مردود سے محفوظ کر لیا جائے، جس طرح کہ صحیح حدیث مبارکہ میں یہی بات وارد ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ روایت کیا ہے:

((وَكَّلَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ...... الخ)) [1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ماہ رمضان کی زکوۃ کے مال کی حفاظت پر مامور فرمایا تھا......الخ" (الحدیث)

یہ لمبی حدیث مبارکہ الکواشف میں ص ۱۰۶ پر موجود ہے۔

سوال نمبر: ۸۵ اللہ تعالیٰ کے فرمان اقدس:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

(۵۷/ الحدید:۳)

"وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی، اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔"

سے آپ کیا معنی سمجھ رہے ہیں؟

جواب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود ان چاروں اسماء کی تفسیر اس طرح بیان فرمائی ہے:

((اَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ))

"تو اول ہے کہ تجھ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔"

---

[1] بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ البقرۃ: ۵۰۱۰۔

((وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَكَ شَیْئٌ))

''اور تو آخر ہے کہ تیرے بعد بھی کوئی چیز نہیں ہوگی۔''

((وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَكَ شَیْئٌ))

''اور تو ہی ظاہر و غالب ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔''

((وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَكَ شَیْئٌ)) ❶

''اور تو ہی باطن و مخفی ہے کہ تجھ سے مخفی بھی کوئی چیز نہیں ہے۔''

ان چاروں اسماء کا مدار احاطہ پر ہے، دو اقسام احاطہ زمان اور احاطہ مکان میں منقسم ہیں، اس کی اولیت یعنی اس کا اول ہونا ماقبل کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کا آخر ہونا مابعد کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کی ظہاریت اور باطنیت یعنی اس کا ظاہر اور باطن ہونا ہر ظاہر و باطن کو احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔ کوئی بھی ظاہر و غالب چیز نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ہے اور کوئی بھی باطن اور مخفی چیز نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ ہی اس سے مخفی تر ہے۔ الاول میں اس کی قدامت، الاخر میں اس کی بقاء اور دوام، الظاہر میں اس کی بلندی اور عظمت اور الباطن میں اس کی قربت اور نزدیکی عیاں ہے۔

اور اس فرمان اقدس 'وَهُوَ بِكُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ' میں اس کی صفت علم کا اثبات ہو رہا ہے اور یہ صفت ذاتی صفات میں سے ہے اور اس کے علم نے تمام ظاہری، باطنی پوشیدہ اور مخفی امور اور پھر سابقہ آمدہ تمام معاملات کو گھیرے میں لیا ہوا ہے، یعنی سب چیزیں اور ان کے متعلقہ تمام معلومات اس کے احاطہ علم میں ہیں۔

صفت حیات کا بیان

سوال نمبر: ۸۶ اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ﴾ ''اس ہمیشہ زندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں'' (۲۵/ الفرقان: ۵۸) کا کیا مفہوم ہے؟

جواب اس آیت مبارکہ میں:

---

❶ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب ما یقول عند النوم: ۲۷۱۳۔

① اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر دل سے وہ اعتماد اور بھروسہ جو منافع حاصل کرنے اور نقصانات دور رکھنے کے لیے اسباب کو استعمال میں لاتے ہوئے اختیار کیا جاتا ہے۔

② صفت حیات کا اثبات جو کہ ذاتی صفات میں سے ہے۔ اس کی حیات اکمل ترین اور اتم ترین ہے، اس حیات کے اثبات سے تمام صفات کمال کا اثبات جبکہ کمال حیات کے منافی تمام متضاد صفات کی نفی ہو رہی ہے۔ صفت حیات کو اپنے لیے خاص کرنے سے اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ وہ ایسا زندہ ہے جس پر تمام مصلحتوں میں توکل اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ سوائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دائمی اور ہمیشگی والی زندگی کسی کی بھی نہیں ہے۔ تمام زندوں کی زندگی منقطع ہونے والی ہے لہٰذا کسی دوسرے پر بھروسہ رکھنے والوں کے بھروسے اس وقت ضائع ہو جاتے ہیں جب وہ مر جاتے ہیں۔

صفت حکمت کا بیان

سوال نمبر: ۸۷ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک الحکیم سے تجھے کیا معانی سمجھ آتے ہیں؟

جواب الحکیم حکمۃ سے ماخوذ ہے اور اس کے معانی ہیں:

1. قاضی، عادل اور اپنی مخلوق کے درمیان دینی شرعی اور تقدیری حکم دینے والا۔ دنیا اور آخرت میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾

(۲۸/ القصص: ۷۰)

''دنیا اور آخرت میں اس کی تعریف ہے اس کے لیے فرمانروائی ہے اور اس کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے۔''

2. الحکیم کا دوسرا معنیٰ مضبوط اور پائیدار حکم دینے والا تاکہ اس میں کسی طرح کی کوئی خرابی اور فساد راہ نہ پا سکے۔

سوال نمبر: ۸۸ اللہ تعالیٰ کی حکمت کی کتنی اور کون کون سی اقسام ہیں؟

جواب حکمت کی دو قسمیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

① اس کی اپنی مخلوق کے متعلق حکمت، اس کی دو ذیلی اقسام ہیں:

اوّل: مخلوق کے لیے احکام صادر کرنا اور اس مخلوق کو انتہائی پختگی اور مضبوطی سے ایجاد کرنا۔

دوم: اس مخلوق کو انتہائی پسندیدہ مقاصد کے لیے بنانا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پسند ہیں جن کے حصول کے لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور جن کے لیے اس نے انہیں تخلیق کیا ہے۔

② اس کی اپنی شریعت میں حکمت، اس کی بھی دو درج ذیل اقسام ہیں:

اول: اس شریعت کا مضبوطی اور احسان میں انتہائی درجہ کا اعلیٰ ہونا۔

دوم: اس شریعت کا انتہائی بہترین اور پسندیدہ مقاصد کے لیے ہونا، اور عظیم حکمتوں پر موقوف ہونا جن کی بنا پر وہ حمد کا حق دار ٹھہرتا ہے۔

سوال نمبر: ۸۹ فرمان باری تعالیٰ:

﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (٦/ الانعام:١٠٣)

''اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔'' کے معنی کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟۔

جواب اللطیف وذات ہے جس کا علم اور جس کی خبریں انتہائی باریک بینی پر مبنی ہوں حتیٰ کہ وہ پوشیدہ اور مضمر، مخفی اور غیب، مصالح کی باریکیوں اور گہرائیوں کو بھی بخوبی جانتا ہو، اس کے علم میں ظاہر اور مخفی چیز ہر طرح بغیر کسی فرق کے عیاں اور کھلی ہو۔

اللہ تعالیٰ کے علم کی باریکی کو اور اس کی اقسام کو احاطہ شمار میں لانا ممکن نہیں ہے۔ وہ تو بندے کے وجود کے متعلق داخلی امور کی باریکیوں سے بھی آشنا ہے، اور اس کے خارجی امور کی باریکیوں سے بھی شناسا ہے وہ بندے کو ان کی جانب اور انہیں بندے کی جانب لاشعوری طور پر چلاتا ہے جن میں اسی کی اصلاح اور بھلائی مضمر و پوشیدہ ہوتی ہے۔

اس کی دوسری قسم اپنے خاص بندے اور اپنے دوست کے لیے لطف وکرم کے ساتھ وابستہ ہے جس کے ساتھ وہ اپنے احسانات کو مکمل کرنا چاہتا ہو جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام

کے ساتھ کیا ہے۔

الخبیر کا لفظ خبرۃ سے بنا ہے، جس کا معنیٰ کمال علم، علمی پختگی اور تمام اشیاء کا ان کی باریکیوں اور تفاصیل کے ساتھ احاطہ کرنا ہے۔ جب علم کی باطنی یعنی پوشیدہ اشیاء کی معرفت کی طرف اضافت کی جائے تو اسے خبر اور اس کے جاننے والے کو خبیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ملک اور بادشاہی میں جو بھی چیز چلتی ہے یا کوئی چیز حرکت کرتی ہے خواہ وہ ذرہ سے چھوٹی ہو خواہ بڑی ساکن ہو یا متحرک یا کوئی جان اطمینان پاتی ہے تو ان تمام اشیاء کے متعلق اسے مکمل خبر اور واقفیت ہوتی ہے۔

یہ لفظ اللطیف کے قریب قریب ہی معنیٰ رکھتا ہے اس لیے آپ ان دونوں اسماء کو بعض آیات میں اکٹھا ہی پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾ (٦٧/ الملك:١٤)

''کیا وہ بھی بے علم ہو سکتا ہے جو خود خالق ہو؟ پھر باریک بین اور باخبر بھی ہو۔''

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

وَهُوَ اللَّطِيفُ بِعَبْدِهِ وَلِعَبْدِهِ
وَاللُّطْفُ فِي أَوْصَافِهِ نَوْعَانِ

وہ ذات اپنے بندے کی انتہائی باریک اور گہری کیفیات سے بھی واقف ہے اور وہ اپنے خاص بندے پر لطف وکرم کرنے والا بھی ہے اس کے اوصاف میں سے 'لطف' دو اقسام کا ہے۔

اَدْرَاكُ أَسْرَارِ الْأُمُورِ بِخُبْرَةٍ
وَاللُّطْفُ عِنْدَ مَوَاقِعِ الْإِحْسَانِ

''یعنی ایک تو امور ومعاملات کی باریکیوں کو پوری باریکی تہہ تک جاننا اور دوسرا احسانات ونوازشات کرنے کے مواقع پر مہربانی فرمایا۔''

فَيُرِيكَ عِزَّتَهُ وَيُبْدِي لُطْفَهُ
وَالْعَبْدُ فِي الْغَفَلَاتِ عَنْ ذَا الشَّانِ

’’وہ تجھے اپنی عزت اور اپنا غلبہ دکھاتا ہے اور وہی اپنے لطف و کرم کو ظاہر بھی کرتا ہے جبکہ بندہ اس عظیم شان والے سے غفلتوں پر پڑا ہوا ہے۔‘‘

صفت علم کا بیان

سوال نمبر: ۹۰ مندرجہ ذیل آیات سے آپ کیا معانی سمجھ رہے ہیں؟

1 فرمان پروردگار ہے:

﴿ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ﴾ (۵۷/ الحدید:۱٤)

’’وہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے، اور جو آسمان سے نیچے آئے اور جو کچھ چڑھ کر اس میں جائے۔‘‘

2 دوسرا فرمان الٰہی یوں ہے:

﴿ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴾ (٦/ الانعام:٥٩)

’’اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں تمام مخفی اشیاء کے خزانے ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور جو کچھ دریاؤں میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے۔‘‘

3 تیسرا یہ فرمان اقدس:

﴿ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ﴾ (۳۵/ فاطر:۱۱)

’’اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی مادہ اور نہیں (بچہ) جنتی مگر وہ اس کے علم میں ہے۔‘‘

﴿ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ

عِلْمًا﴾ (٦٥/ الطلاق:١٢)

”تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو با اعتبار علم گھیر رکھا ہے۔“

جواب مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا اثبات ہے۔ اور صفت علم ان ذاتی صفات میں سے ہے جو ذات الٰہی سے کسی لمحہ بھی الگ نہیں ہوتیں۔ پھر ان آیات کریمات سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا تمام اشیاء کا اجمالی اور تفصیلی احاطہ علم کا اثبات ہوتا ہے پھر اس کا سورۃ لقمان کے آخر میں مذکور پانچ چیزوں کے جاننے میں خاص اور ممتاز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اجر اور غیب کی کنجیاں ہیں۔ مزید ان آیات میں صفت قدرت کا بھی اثبات ہے یہ بھی اس کی ذاتی صفات میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک اسم ”القدیر“ بھی ہے، جسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ جب بھی کسی کام کو کرنا چاہے بلا روک ٹوک اور بلا کسی رکاوٹ کر سکتا ہے۔

ان آیات میں فرقہ قدریہ کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل نہیں ہیں۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسا عالم ہے کہ علم اس کی قائم بالذات صفت ہے، برخلاف فرقہ معتزلہ جہمیہ کے جو اللہ تعالیٰ کے علم کے ہی انکاری ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿لَكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾ (٤/ النساء: ١٦٦)

”جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے اس کی بابت خود اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے۔“

یہ فرمان الٰہی بھی ملاحظہ فرمائیں:

﴿فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ﴾ (١١/ هود: ١٤)

”پھر اگر وہ تمہاری اس بات کو قبول نہ کریں تو تم یقین سے جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے۔“

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے وہ زمانہ ماضی، زمانہ حال اور زمانہ مستقبل میں جو کچھ سب واجب، ممکن اور محال امور کو جانتا ہے۔

صفت رزق، قوت اور متانت ومضبوطی کا بیان

سوال نمبر: ۹۱ فرمان الٰہی:

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ (۵۱/ الذّٰریٰت:۵۵)

''اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زورآور ہے۔''

سے آپ کیا معانی مراد لیتے ہیں۔

جواب اس آیت مبارکہ میں:

1. صفت رزق اور اس کی کثرت ووسعت کا ذکر ہے۔

اور رزق دو طرح کا ہے۔

2. رزق مطلق: یعنی جس کا نفع دنیا وآخرت میں جاری وساری ہے۔ اور یہ دلوں کا رزق ہے جیسے علم، ایمان اور رزق حلال وغیرہ۔
3. مطلق رزق: یعنی عمومی رزق ہے جو اس کی ساری مخلوقات نیک وبد اور جانوروں تک کو مل رہا ہے۔ اس میں حلال وحرام دونوں داخل ہیں اللہ تعالیٰ ہی یہ رزق دینے والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ صاحب قوت کاملہ اور قدرت تامہ بھی ہے اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اس کی قوت وسلطنت اور غلبے سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ اس نے پوری کائنات میں رزق کو وافر پہنچایا ہوا ہے اور بلاشبہ وہی لوگوں کو ان کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور اسی قوت کے ساتھ ہی وہ بڑے بڑے بالائی اور زیریں اجرام فلکی اور ارضی کو ایجاد کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام المتین بھی ہے اور متانت قوت مضبوطی پر دلالت ہے، اللہ تعالیٰ انتہائی زبردست قوت وقدرت والا ہے ایسا قوی ہے جو بالائی قوت کا مالک ہے، تمام حالتوں میں سے کسی حالت میں بھی اس کی جانب عاجزی کو منسوب نہیں کیا جا

سکتا، صفت قوت اور صفت قدرت اس کی ذاتی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کسی وقت بھی الگ نہیں ہو سکتیں۔

سوال نمبر: ۹۲ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرامین سے آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟

1 ﴿ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴾ (٤/ النساء:٥٨)

''بے شک اللہ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔''

2 ﴿ قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴾ (٥٨/ المجادلة:١)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑا کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال جواب سن رہا تھا، بے شک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔''

3 ﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ﴾
(٣/ آل عمران:١٨١)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں۔''

4 ﴿ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلَى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴾
(٤٣/ الزخرف:٨٠)

''کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کے مشوروں کو ہم نہیں سنتے، یقیناً (برابر سن رہے ہیں) بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں۔''

5 ﴿ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (٤٢/ الشوریٰ:١١)

''وہ سنتا دیکھتا ہے۔''

جواب مذکورہ آیات اللہ کی صفت سمع کے اثبات پر مشتمل ہیں اور یہ صفت ذاتی صفات میں سے ہے، السمیع، اللہ کے ناموں میں سے ایسا نام ہے کہ کوئی بھی بات

اس کے سننے سے چھپی ہوئی اور اوجھل نہیں ہے اگر چہ وہ مخفی ہی کیوں نہ ہو؟۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو سیاہ چیونٹی کے تاریک رات میں سخت پتھر پر چلنے کی آواز کو بھی سنتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام مسموعات (سنی جانے والی باتوں) کو سری اور جہری قریب اور بعید کو بلا امتیاز احاطہ سماعت میں رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر مختلف آوازیں جو متعدد حاجات پر مبنی ہوں خط ملط نہیں ہوسکتیں یہ تو گویا ایسے ہیں جیسے کہ صوت واحد ہو۔

اللہ تعالیٰ کا سننا دو اقسام پر مشتمل ہے۔

اس کا تمام آوازوں کو سننا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اپنے عبادت گزاروں، دعائیں مانگنے والوں اور سوال کرنے والوں کی دعاؤں کو قبولیت کے لیے سننا۔ اور اسی معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بقول:

﴿ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ ﴾ (١٤/ ابراهيم:٣٩)

''کچھ شک نہیں کہ میرا پروردگار دعاؤں کا سننے والا ہے۔''

سوال نمبر: ۹۳ ''فعل سمع'' سے کیا مراد ہے؟

جواب امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا کہ اس سے چار معانی مراد لیے جاتے ہیں۔

1. سمع ادراک: جو اصوات (آوازوں) سے متعلقہ ہے۔
2. سمع فہم اور عقل اور اس کے متعلقہ معانی۔
3. سمع برائے منظوری اور جواب اور مانگنے والے کو عطا کرنا۔
4. سمع قبول وانقیاد۔

پہلے معنیٰ کی دلیل:

﴿ قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا ﴾ (٥٨/ المجادلة:١)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑا کر رہی تھی۔''

﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا ﴾ (٣/ آل عمران:١٨١)

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنہوں نے کہا۔“

دوسرے معنی کی دلیل:

﴿لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا﴾ (۲/ البقرۃ:۱۰۴)

”تم (نبی اکرم ﷺ) کو راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو۔“

صرف خالی سننا ہی مراد نہیں ہے بلکہ فہم وعقل کا سننا مراد ہے۔

یہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (۲/ البقرۃ:۲۸۵)

”ہم نے سنا اور اطاعت کی۔“

اور تیسرے معنی کی دلیل یہ ہے:

((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ))

”سن لیا اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو جس نے اس کی حمد بیان کی۔“

اور منقول دعا میں یوں ہے:

((اَللّٰهُمَّ اسْمَعْ وَأَعْطِ مَا سَأَلْتُكَ)) [1]

”اے اللہ سن لے (یعنی منظور فرمالے) اور وہ چیز عطا فرمادے جو میں نے تجھ سے مانگی ہے۔“

اور چوتھے معنی کی دلیل یہ ہے:

﴿سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ﴾ (۵/ المآئدۃ:۴۲)

”یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے ہیں۔“

یعنی اسے قبول کرنے والے اس کے سامنے زیر ہونے والے اور اس پر کسی طرح کا کوئی اعتراض نہ کرنے والے ہیں۔

اس معنی میں دو قولوں میں سے صحیح ترین قول کے مطابق یہ فرمان اقدس بھی ہے:

---

[1] ابن سنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اللهم اسمع واستجب کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

﴿ وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ ﴾ (۹/ التوبۃ:٤٧)

''ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں۔''

دوسرا معنیٰ ان کے مخبر اور جاسوس کیا گیا لیکن یہ معنیٰ صحیح نہیں۔

سوال نمبر: ۹۴ اللہ تعالیٰ کی صفت بصر کے اثبات کے دلائل تو صفت سمع کے ساتھ ہی گزر چکے ہیں مگر آپ اللہ تعالیٰ کے نام نامی البصیر سے کیا معنیٰ سمجھ رہے ہیں؟۔

جواب اس کا معنیٰ ہے کہ اس کی صفت بصر نے تمام مبصرات (دیکھی جانے والی اشیاء) کو احاطہ کیا ہوا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر چیز کو دیکھ اور اس کا مشاہدہ کر رہا ہے اگر چہ وہ مخفی ترین ہی کیوں نہ ہو؟ اشیاء خواہ ظاہر ہوں یا باطن قریب ہوں یا بعید، ظاہری پردے اور رکاوٹیں اس کے لیے دیکھنے میں کوئی اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ وہ تو کالی چیونٹی کو تاریک ترین رات میں سخت پتھر پر بھی دیکھ رہا ہے۔ وہ تو چھوٹی چیونٹیوں یا ان سے بھی چھوٹی مخلوق کی رگوں میں اٹکی ہوئی اشیاء کو بھی دیکھ رہا ہے، وہ تو اندر جانے والی غذا اس کے اعضاء کو غذائی نالیوں میں بھی دیکھ رہا ہے اگر چہ وہ انتہائی باریک ترین ہی ہوں؟۔ وہ خون کے سرخ اور سفید سیلز کو حتی کہ تمام انواع واقسام کے جرثوموں کو بھی دیکھ رہا ہے خواہ وہ مخفی ترین اور باریک ترین ہی کیوں نہ ہوں؟ اور جو کچھ ان کے جسموں میں ہے سب کچھ دیکھ رہا ہے کیونکہ وہی تو ہے جس نے انہیں اور ان میں موجود سب اعضاء کو تخلیق فرمایا ہے۔ کسی نے یوں کہا ہے:

يَا مَنْ يَّرٰى مَدَّ الْبَعُوْضِ جَنَاحَهَا
فِيْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ الْبَهِيْمِ الْأَلْيَلِ

''اے وہ ذات! جو انتہائی تاریک اور سیاہ فام رات کی تاریکی میں مچھر کے پروں کو پھیلے ہوئے دیکھتا ہے۔''

وَيَرٰى مَنَاطُ عُرُوْقِهَا فِيْ نَحْرِهَا
وَالْمُخَّ فِيْ تِلْكَ الْعِظَامِ النُّحَلِ

''اے وہ ذات! جو اس مچھر کے سینے کی رگوں میں اٹکی ہوئی چیزوں کو دیکھتا ہے

اوراس کی لاغراور پتلی پتلی ہڈیوں میں گودے کو بھی دیکھ رہا ہے۔"

أُمْنُنْ عَلَيَّ بِتَوْبَةٍ تَمْحُوْبِهَا
مَا كَانَ مِنِّيْ فِي الزَّمَانِ الْأَوَّلِ

"تو ایسی توبہ کا مجھ پر احسان وانعام فرما جو گزشتہ اور پہلے زمانے کے میرے تمام گناہوں کو مٹا ڈالے۔"

ارادہ اور مشیت کا بیان

سوال نمبر: ۹۵ درج ذیل فرامین پروردگار عالم سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟

① ﴿وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾
(۱۸/ الکہف:۳۹)

"تو نے اپنے باغ میں جاتے وقت کیوں نہ کہا کہ اللہ کا چاہا ہونے والا ہے، کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے۔"

② ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۵۳)

"اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

③ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ أَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ (٦/ الانعام:۱۲۵)

"سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہے اس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے۔"

جواب ان آیات میں اس کی دو صفات، صفت مشیت اور صفت ارادہ کا ثبوت ہے۔ جو قدری ارادے کے ساتھ ساتھ اس کی مشیت کو بھی شامل ہے۔ اور یہ صفت ارادہ ایسا وصف ہے کہ کوئی چیز بھی اس سے خارج نہیں ہے اور یہ مخلوق سے متعلق ہے یعنی جو چاہتا اور ارادہ کرتا ہے اسے کر گزرتا ہے فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَآ أَمْرُهٗٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (۳٦/ یٰس:۸۲)

''وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرما دینا کافی ہے کہ ہو جا وہ اس وقت ہو جاتی ہے۔''

تمام کافر، تمام مسلمان، سب طاعات اور سب معاصی (نافرمانیاں)، جمیع رزق اور تمام آجال وحوادث اسی ارادہ کے ماتحت ہیں، آیت مبارکہ میں ہدایت التوفیق والالہام کا بھی اثبات ہو رہا ہے جیسے اس کے جلال اور اس کی عظمت کے شایان شان ہے۔

سوال نمبر: ۹۶ دینی شرعی ارادہ کی دلیل کیا ہے اور یہ کس چیز سے تعلق رکھتا ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۸۵)

''اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔''

اور یہ فرمان اقدس:

﴿مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾ (۵/ المآئدۃ:۶)

''اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا۔''

اور یہ فرمان عالی شان بھی!

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ (۴/ النساء:۲۸)

''اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کر دے۔''

﴿وَاللّٰهُ يُرِيدُ اَنْ يَّتُوبَ عَلَيْكُمْ﴾ (۴/ النساء:۲۷)

''اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کر لے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۸۵)

''یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے۔''

یہ ارادہ امر سے متعلق ہے کہ اللہ بندے کو حکم دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ بندہ اس کلمہ کو بجالائے۔ وہ کام عملاً اور فعلاً واقع ہو یا نہ ہو اللہ تعالیٰ ہر حال میں اسے پسند کرتا ہے۔

سوال نمبر: ۹۷ دونوں ارادوں کے مابین کیا فرق ہے؟

جواب قدری ارادہ تو مراد کے واقع ہونے کو لازم ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا ارادہ لازماً پورا ہوگا۔ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ قدری ارادہ تمام حوادثات وآفات کو شامل ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ لازمی نہیں کہ شرعی ارادہ سے متعلقہ مراد ضرور واقع ہو مگر یہ اس کے ساتھ پہلا ارادہ بھی شامل ہو یعنی کوئی قدری ارادہ۔ ایک مطیع وفرمانبردار آدمی کے حق میں دونوں ارادے ہی اکٹھے ہو جاتے ہیں جبکہ گناہ گار اور نافرمان بندے کے حق میں صرف قدری ارادہ ہی رہتا ہے۔

سوال نمبر: ۹۸ دونوں ارادوں کے درمیان عموم وخصوص کا تعلق واضح کریں۔

جواب قدری ارادہ اس جہت سے عام ہے کہ اس کا تعلق ہر اس چیز کے ساتھ ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند اور محبوب نہیں رکھتا مثلاً کفر پر مبنی کام۔ اور اس جہت سے خاص ہے کہ اس کا کافر کے ایمان اور فاسق کی طاعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور دینی شرعی ارادہ اس جہت سے عام ہے کہ اس کا تعلق ہر مامور حکم کے ساتھ ہے خواہ وہ واقع ہو یا نہ ہو اور اس جہت سے خاص ہے کہ ارادہ کونی قدری بعض اوقات غیر مامور ہی ہوتا ہے۔

صفت محبت کا بیان

سوال نمبر: ۹۹ اللہ تعالیٰ کے فرمان

1. ﴿وَأَحْسِنُوٓا۟ ۛ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۹۵)

"اور سلوک واحسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

2. ﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ﴾ (۵/ المآئدۃ:۴۲)

"اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

3. ﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُتَّقِينَ﴾ (۹/ التوبۃ:۴)

"اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

4. ﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۲۲)

"اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

5 ﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ﴾(۳/ آل عمران:۳۱)

”کہہ دیجیے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔“

6 ﴿ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ﴾ (۵/ المآئدۃ:۵٤)

”تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا، جو اللہ تعالیٰ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی۔“

7 ﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا ﴾ (٦١/ الصف:٤)

”بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں۔“

8 ﴿ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴾ (۸۵/ البروج:۱٤)

”وہ بہت بخشنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔“

مذکورہ بالا آیات سے تو کیا مراد لیتا ہے؟

جواب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت محبت کا اثبات ہے اور یہ فعلی صفات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے کام یعنی عبادت الٰہی میں اخلاص اور اس کے بندوں کے ساتھ احسان بجالانا اس کا سبب ہے۔

دوسری آیت مبارکہ سے یہ نتیجہ لیا جا سکتا ہے کہ معاملات میں قریب و بعید اور دشمن و دوست کے ساتھ عدل وانصاف کے حکم کو پورا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ﴾ (٤/ النساء:۱۳۵)

”اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی مولا کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے۔“

حقوق اللہ میں عدل وانصاف یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے کاموں میں صرف کیا جائے ان میں سے کسی نعمت کے ساتھ بھی اس کی نافرمانی اور

معصیت میں مدد نہ لی جائے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب ہوگا۔

تیسری آیت مبارکہ میں اللہ عزوجل کے تقویٰ پر ابھارا گیا ہے اور تقویٰ اوامر الٰہی کو بجا لانے اور اس کی نواہی سے اجتناب کرنے کا نام ہے اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت میں رہتے ہوئے اس کی معصیت سے بچے رہنے کا نام تقویٰ ہے۔

تقویٰ سے مراد یہ بھی ہے کہ ان مشرکین کے ساتھ کیے گئے عہد پر استقامت اختیار کرنا جب تک وہ وعدے پر ثابت رہیں اور اسے نہ توڑیں۔ یہ عمل بھی بندے کے لیے محبت الٰہی کا باعث اور سبب ہے۔

چوتھی آیت مبارکہ میں گناہوں میں معاصی سے کثرت کے ساتھ توبہ کرنے کی ترغیب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نجاستوں اور پلیدیوں سے ظاہری طہارت حاصل کرنے کی رغبت ہے، اس کے علاوہ گناہوں اور نافرمانیوں سے معنوی طہارت کے ساتھ پاک رہنے کی بھی ترغیب موجود ہے یعنی توبۃ النصوحہ (پکی سچی توبہ)، استغفار کرنے اور ایسے اعمال صالحہ کے بکثرت اہتمام کی ترغیب دی گئی ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

پانچویں آیت مبارکہ میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی اتباع اختیار نہیں کرتا وہ اپنے دعویٰ میں سچا نہیں ہے۔ اس دعویٰ کی سچی اور مکمل دلیل یہ ہے کہ اتباع مصطفیٰ ﷺ کو اختیار کیا جائے۔

اس آیت مبارکہ میں صفت محبت کا انکار کرنے والوں اور صفت محبت کو احسان کرنے یا ثواب عطا فرمانے اور اس طرح کی دیگر باطل تاویلات کرنے والوں کی تردید بھی ہو رہی ہے۔

اور چھٹی آیت مبارکہ میں بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب مذکور ہے اس آیت مبارکہ کے آخر میں مذکور صفات حمیدہ میں اس کا ذکر ہے۔ اور ساتویں آیت کریمہ میں اعلائے کلمۃ اللہ (اللہ کے دین کی سربلندی) کے لیے فی سبیل اللہ قتال و جہاد کرنے کا بیان ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) [1]

---

[1] بخاري، كتاب العلم، باب من سأل وهو قائم...... ۱۲۳۔

''جس نے اس نیت سے لڑائی کی تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے تو وہ فی سبیل اللہ ہے۔''

اور آخری آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی ''صفت مغفرت'' کا اثبات ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی فعلی صفات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس اسماء مبارکہ میں سے ''الغفور'' اور ''الغفار'' بھی ہیں۔ یعنی جو اچھے اور عمدہ فعل کو ظاہر کرے اور برے قبیح عمل کو ڈھانپ دے۔ اور گناہ بھی من جملہ ان نقائص میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ڈھانپ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ﴾ (۵۳/ النجم:۳۲)

''بے شک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے۔''

اس صیغہ میں گناہگاروں کو کثرت سے ڈھانپنے کا شعور دلایا گیا ہے۔ اور ان کا مواخذہ کرنے سے تجاوز اور درگزر کرنے کی بات بتلائی گئی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم الودود بھی ہے جس کا معنیٰ حد درجہ کا محبوب بھی ہے اور انتہائی زیادہ محبت کرنے والا بھی ہے۔ اللہ اپنے اطاعت گزاروں، اپنے انبیاء اپنے رسولوں، اپنے ملائکہ، اپنے اولیاء اور اپنے ایمان دار بندوں سے محبت رکھنے والا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان سب کا محبوب بھی ہے، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے ہاں محبت الٰہی کے برابر اور کوئی محبت نہیں ہے۔

صفت رحمت کا بیان

سوال نمبر: ۱۰۰ مندرجہ ذیل آیات کس معنیٰ مفہوم کو بیان کر رہی ہیں؟

① ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾

''شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

② ﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (۷/ الاعراف:۱۵۶)

''اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہے۔''

﴿ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴾ (١٠/ یونس:١٠٧)

''اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے۔''

﴿ فَاللَّهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ ﴾ (١٢/ یوسف:٦٤)

''پس اللہ ہی بہترین نگران ہے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اقدس:

﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ ﴾ (٦/ الانعام:٥٤)

''تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے۔''

جواب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی 'صفت رحمت' اور اس کی وسعت کا ثبوت، صفت علم اور اس کی وسعت اور صفت مغفرت کا ثبوت ہے۔ اس کے اسمائے مبارکہ الرحمٰن الرحیم دونوں ہی اللہ کے صفت رحمت سے متصف ہونے کو بیان کر رہے ہیں۔ اسم الرحمٰن اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس سے کسی غیر کو متصف اور موسوم نہیں کیا جاسکتا البتہ اسم الرحیم کا رحمت کے حق دار شخص سے بھی تعلق ہوتا ہے اسے غیر اللہ کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور یوں بولا جاسکتا ہے کہ فلاں رحیم ہے۔

اسم لفظ اللہ سے ضمناً رسالت کا اثبات بھی ہو رہا ہے اور ماخذ کا بھی کیونکہ وہ مستحق عبادت اور ملجا و ماویٰ ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے سوائے رسالت کے کوئی اور ذریعہ نہیں ہے اور یہ بات اسم الرحمٰن سے ثابت ہو رہی ہے کیونکہ اس کی رحمت بندوں کو فضول اور بے مقصد رکھنے سے روکنے والی ہے اور انہیں بے کار چھوڑ دینے سے مانع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ یعنی اس نے بذات خود اپنی خلقت پر احسان اور فضل و کرم فرماتے ہوئے اس رحمت کو اپنے اوپر واجب قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم الحفیظ بھی ہے جو کہ حفظ (یعنی بچاؤ اور حفاظت) سے ماخوذ ہے، لفظ الحفیظ کے دو معانی ہیں:

1. اس نے اپنے بندوں کے تمام اعمال خیر و شر اور اطاعت و معصیت والے سبھی محفوظ کر لیے ہیں۔ اس کے حفاظت کرنے کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے جو بندوں کی تمام تر

حالتوں کو احاطہ علم میں رکھے ہوئے ہے۔

2 وہ بندوں کی تمام ناپسندیدہ حالتوں سے حفاظت کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کی حفاظت فرمانے کی بھی دو قسمیں ہیں:

حفاظت عام اور حفاظت خاص

عام: میں اس کی پوری مخلوق کی حفاظت کرنا شامل ہے یعنی انہیں ایسے اسباب عطا فرماتا ہے جو انہیں بچانے اور محفوظ کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں کی حفاظت رکھتا ہے جو انہیں ہدایت کے راستے اور دوسرے مصالح کی طرف گامزن کر دیتی ہیں، اس ہدایت کو مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ درست رکھتے ہیں اور اس کی عمومی ہدایت کی دلیل یہ ہے۔

﴿ أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۵۰)

''جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت شکل عنایت فرمائی پھر راہ سمجھا دی۔''

② حفاظت خاص جو اس کے اولیا کے لیے ہے جو انہیں ایمان میں ضرر پہچانے والے امور، فتنوں اور شہوات کے عوارض سے متزلزل ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ (۲۲/ الحج:۳۸)

''سن رکھو یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ ہٹا دیتا ہے۔''

یہ حفاظت ان کے دین اور دنیا کے تمام معاملات میں ایسے امور سے ہے جو انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

اور حدیث مبارکہ میں بھی آتا ہے:

((احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ)) [1]

تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت رکھ (یعنی اس کے حکموں کی) وہ تیری حفاظت فرمائے گا۔

رحمت کی اقسام

سوال نمبر: ۱۰۱ رحمت کی اقسام کون سی ہیں؟ اور ان میں سے ہر ایک قسم کی دلیل کیا ہے؟

---

[1] ترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق: ۲۵۱۶۔

جواب ایک قسم تو عام ہے جس میں مسلمان اور کافر، نیک و بد، حتیٰ کہ باقی سب مخلوقات مشترک ہیں۔اس کی دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (۷/ الاعراف:۱۵٦)

''اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہے۔''

﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا﴾ (٤٠/ المومن:۷)

''اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے۔''

پوری مخلوق میں سے ہر کسی کو جو رزق اور صحت وغیرہ مل رہے ہیں یہ صرف اس کی رحمت کی وجہ ہی ہے۔

③ دوسری قسم جو انبیا، رسولوں، اولیا اور ایماندار بندوں کے لیے خاص ہے۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک ہے:

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾ (۳۳/ الاحزاب:٤۳)

''اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے۔''

﴿إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (۹/ التوبۃ:۱۱۷)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق و مہربان ہے۔''

سوال نمبر: ۱۰۲ اللہ تعالیٰ کی طرف رحمت کی اضافت کی بناء پر اس کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب اس کی دو اقسام ہیں:

① اس کی طرف اضافت و نسبت کرتے ہوئے مفعول کی فاعل کی جانب اضافت، اس سلسلہ میں وہ حدیث صحیح بھی ہے جس میں ہے:

((احْتَجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ ...... الخ)) [1]

''جنت اور دوزخ نے ایک دوسرے سے لڑائی۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے یوں فرمایا:

---

[1] سنن ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ماجاء فی احتجاج الجنة والنار: ۲٥٦۱۔

((اِنَّمَا اَنْتِ رَحْمَتِیْ اَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ)) [1]

"تو تو میری رحمت سے ہے تیرے ساتھ میں جس پر چاہوں گا رحم کروں گا۔"

یہ رحمت پیدا شدہ ہے اس میں مخلوق یعنی رحمت کی اضافت اس کے خالق کی جانب ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے رحمت سے موسوم فرمایا ہے کیونکہ یہ رحمت کے ساتھ اور رحمت کے لیے پیدا کی گئی ہے، اور اس کے لیے اہل رحمت کو ہی خاص رکھا گیا ہے۔

اور اس میں صرف رحماء یعنی آپس میں رحم دل لوگ ہی داخل ہوں گے۔

اسی سلسلے میں وہ حدیث مبارکہ بھی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے:

((خَلَقَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ كُلُّ رَحْمَةٍ مِّنْهَا طِبَاقَ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ))

"اللہ تعالیٰ نے رحمت کو تخلیق فرمایا، تو اس دن اس نے سو رحمتیں پیدا فرمائیں، ان میں سے ہر ایک رحمت آسمان و زمین کے درمیانے طبقے کی مانند تھی۔"

ایک یہ دلیل بھی ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا﴾ (٤١/ حم السجدة:٥٠)

"اگر ہم اسے کسی رحمت کا مزہ چکھائیں۔"

اور یہ بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کو بھی فرمان ذیل میں رحمت سے موسوم ٹھہرایا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ﴾ (٧/ الاعراف:٥٧)

"اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں۔"

اور یہ فرمان گرامی بھی پڑھ لیں:

﴿وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً﴾ (١١/ هود:٩)

"اگر ہم انسان کو اپنی کسی نعمت کا ذائقہ چکھائیں۔"

---

[1] حوالہ سابقہ۔

② اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت ونسبت رکھتے ہوئے صفت کی موصوف کی جانب اضافت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان ذیل میں اس کی مثالیں ہیں:

﴿ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴾ (٧/ الاعراف:٥٦)

"بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔"

اور جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

((يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ))

"اے حي وقیوم! میں تیری رحمت کا واسطہ دے کر تجھ سے مدد کا سوال کرتا ہوں۔"

فعلی صفات کا تذکرہ

سوال نمبر: ۱۰۳ مندرجہ ذیل آیات مبارکہ کا مفہوم بیان کریں۔

1 ﴿ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ﴾ (٩/ التوبة:١٠٠)

"اللہ ان سب سے راضی ہوا۔"

2 ﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴾ (٤/ النساء:٩٣)

"اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

3 اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴾

(٤٧/ محمد:٢٨)

"یہ اس بنا پر کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا تو اللہ نے ان کے اعمال رد کر دیے۔"

4 ﴿ فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾ (٤٣/ الزخرف:٥٥)

''پھر جب انہوں نے ہمیشہ غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔''

5 ﴿ وَلَٰكِن كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ ﴾ (۹/ التوبة:٤٧)

''لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا۔''

6 ﴿ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴾ (٦١/ الصف:٣)

''تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔''

جواب مندرجہ بالا آیات کریمات اللہ تعالیٰ کی کچھ فعلی صفات کے اثبات پر مشتمل ہیں مثلاً راضی ہونا، ناراض اور غصے ہونا، لعنت کرنا، ناپسند کرنا بیزار ہوتا، غصہ دلانا، سخت ناپسند کرنا وغیرہ۔

ان صفات کو اہل سنت اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی طور پر ثابت کرتے ہیں جس طرح کہ اس کی شانِ جلالی اور مقام عظمت کے لائق ہیں، وہ ان کاموں کو جب چاہتا ہے کرتا ہے۔ ان آیات مبارکہ میں ان لوگوں کی تردید ہے جو بالکل سرے سے ہی ایسی صفات کا انکار کرتے ہیں، اور ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو رضی سے ثواب کا ارادہ، غضب اور سخط سے عذاب مراد لیتے ہیں یا اشاعرہ اور معتزلہ اور دیگر گمراہ فرقوں کی تاویل کہ ان کے نزدیک ارادہ عذاب مراد ہے۔ یہ تاویلات تو دراصل صفت کی ہی نفی ہے اور قرآن کریم کو اس کے ظاہر اور حقیقت سے بغیر کسی قرینہ (سبب) کے پھیرنا ہے۔

دوسری آیت مبارکہ میں اس آدمی کے لیے سخت وعید ہے جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دیتا ہے۔ مومن کہہ کر کافر سے احتراز کیا ہے اور قصداً کی قید سے قتل خطا سے احتراز کیا ہے۔ عمد سے مراد یہ ہے کہ کوئی کسی بے گناہ کو ایسے آلہ یا ایسے طریقہ سے قتل کرنے کا ارادہ کرے جس سے غالب طور پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور جزاء سے مراد عقاب جبکہ ہمیشہ رہنے سے لمبا عرصہ رہنا اور اللہ تعالیٰ کی لعنت سے مراد اس کی رحمت سے دوری ہے۔ اور فرمان باری تعالیٰ ''اس نے تیار کر رکھا ہے'' سے مراد بالکل تیار شدہ ہے یعنی اس کے لیے عذاب عظیم بالکل تیار ہے۔ عظیم اس لیے کہ اس کا گناہ بھی تو عظیم ہے۔

جمہور علماء کے موقف کے مطابق قاتل کی توبہ ہے جو اس کے اور اللہ کے مابین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ﴾ (۲۵/ الفرقان:۶۸)

''اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے منع کر دیا ہو اور زنا کے مرتکب نہیں ہوتے ہیں۔''

پھر یوں فرمایا ہے:

﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ ﴾ (۲۵/ الفرقان:۷۰)

''سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کرلیں۔''

اور دوسری آیت کریمہ میں یوں فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ (۴/ النساء:۴۸)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔''

اور یہ فرمان اقدس:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ﴾ (۳۹/ الزمر:۵۳)

''کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔''

اور حدیث قدسی ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّكَ لَوْ اَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَاَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً)) [1]

''بے شک اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اے آدم کے بیٹے! بے شک اگر تو میرے پاس گناہوں سے بھری ہوئی زمین بھی لے کر آئے گا پھر تو مجھ سے اس حال میں

[1] سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب فضل التوبة والإستغفار: ۳۵۴۰۔

ملاقات کرے کہ میرے ساتھ شریک بنانے والا نہ ہو تو میں تیرے پاس بخشش بھری زمین کے ساتھ آؤں گا۔''

ان کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں جو جمہور علماء کے مذہب کی تائید کرتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں ایسی شدید وعید ہے جس سے دل کانپ جاتے ہیں، کلیجے پھٹ جاتے ہیں اور عقل گھبرا جاتے ہیں۔ شرک اکبر کے علاوہ باقی کبیرہ گناہوں میں سے کسی ایک پر بھی اتنی بڑی یا اس جیسی وعید وارد نہیں ہوئی ہے۔

چوتھی آیت مبارکہ میں اسراف غضب کے معنیٰ میں اور چھٹی آیت کریمہ میں ''مقت'' شدت غضب کے معنیٰ میں ہیں۔ انتقام کسی کو سزا کے ساتھ بدلہ دینا، یہ لفظ نقمہ سے ماخوذ ہے جو شدتِ کراہت اور ناراضگی کے معنیٰ میں آتا ہے۔

تیسری آیت کریمہ میں ایسے اسباب و علل کا تذکرہ ہے جو غصہ دلانے والے ہیں، جبکہ اعمال صالحہ سعادت کا اور برے اعمال شقاوت کا سبب ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ایسے لوگوں کی بھی تردید ہو رہی ہے جن کا گمان ہے کہ عمل اور جزاء کے درمیان کوئی رابطہ اور تعلق نہیں ہے۔ اور اس فرمان الٰہی میں اس آدمی کی بھی مذمت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ امور سے محبت رکھتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے محبوب کاموں سے کراہت کا اظہار کرتا ہے۔

جبکہ آخری آیت مبارکہ میں ایفائے عہد کی ترغیب اور وعدوں وغیرہ سے پیچھے ہٹنے کی نہی موجود ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے غصے کے تفاوت اور درجات کا بھی بیان ہے کیونکہ کوئی انسان بعض اوقات اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو سکتا ہے پھر وہی آدمی اللہ تعالیٰ کا دوست بھی بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض رہنے کے بعد اس سے محبت کر سکتا ہے، اہل حق کا یہی قول ہے دلائل اسی بات پر رہنمائی کرتے ہیں۔

آنا اور قریب ہونا

سوال نمبر: ۱۰۴ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرامین سے آپ کیا معنیٰ مفہوم مراد لے رہے ہیں:

① ﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ

وَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۱۰)

''کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے بھی، اور کام انتہاء تک پہنچا دیا جائے۔''

② ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَٰئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَٰتِ رَبِّكَ﴾ (٦/ الانعام:١٥٨)

''کیا یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے۔''

③ ﴿كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝﴾ (۸۹/ الفجر:۲۱۔۲۲)

''اور جس دن آسمان ریزہ ریزہ ہو جائے گا اور فرشتے لگا تار اتریں گے۔''

جواب ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات آنا، جانا، نازل ہونا کا اثبات ہے جس طرح کہ اس کی ذات کے لائق ہے۔ ان امور کا تعلق ایسے اختیاری افعال سے ہے جو اس کی مشیت اور قدرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بروز قیامت لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے نزول فرمائے گا اسی طرح ہر شب کو جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پہ نزول فرماتے ہیں اس کے علاوہ بھی دوسری نصوص موجود ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہے (نزول فرماتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ جیسا اس کے جلال اور اس کی عظمت کے لائق ہے ان کو ثابت رکھنا واجب ہے۔ مذکور آیات میں صفت علو (بلندی) صفت مجیئی (آنا) صفت نزول جیسا کہ اس کی جلال وعظمت کے لائق ہے کہ دلائل موجود ہیں۔ اور یہی معانی فوراً ذہن میں آتے ہیں۔

آخری آیت مبارکہ کہ آسمان بادلوں میں پھٹ جائے گا۔ میں اس امر کی دلیل بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود نزول فرمائے گا کیونکہ پھٹ جانا نزول کے لیے پیش خیمہ اور مقدمہ (شروعات) ہے اور کسی چیز کا مقدمہ اسی کا حصہ ہی ہوتا ہے۔

ان اہل بدعت کی تردید جو اللہ تعالیٰ کے آنے کی ''حکم آنے سے'' تاویل کرتے ہیں

سوال نمبر: ۱۰۵ ان اہل بدعت کی کس طرح تردید کی جائے گی جو اس امر کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے آنے سے اس کے حکم کا آنا اور اس کے نزول سے اس کے حکم کا نزول مراد ہے۔

جواب امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کے حوالے سے

﴿وَجَآءَ رَبُّكَ﴾ (۸۹/ الفجر:۲۲)

''اور تیرا رب خود آ جائے گا۔''

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ﴾ (۲/ البقرة:۲۱۰)

''کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ آ جائے۔''

اور ایسی دیگر آیات کے حوالے سے یوں ذکر کیا ہے۔

ان آیات کے ضمن میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان میں لفظ مقدر مانا جائے گا اور یوں کہا جائے گا کہ ''وجاء امر ربك'' تیرے رب کا حکم آیا تو یہ معنی لینا کئی وجوہ سے باطل ہے۔

1. یہ ایسے امر کا اظہار ہو رہا ہے جس پر الفاظ کی دلالت مطابقت ہی نہیں رکھتی ہے اور نہ ہی کوئی ضمنی دلالت یا کوئی التزامی دلالت ہی ہے، کسی محذوف کا دعویٰ کرنا بالکل بلا دلیل ہے، صیغہ خطاب سے وثوق بھی اٹھ رہا ہے، اس طرح تو ہر باطل پسند ایسے دعویٰ کے اظہار کرنے پر راہ پائے گا۔
2. جملے کی صحت ترکیب اور الفاظ کی استقامت اس محذوف پر موقوف ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس حذف کو مانے بغیر ہی کلام مستقیم، مکمل اور معنی کے لحاظ سے صحیح ہے جس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہے لہٰذا بغیر کسی ضمیر اور قرینہ کے ایسا کرنا ناجائز ہے۔
3. جب کلام میں محذوف کی تعیین کرنے کے لیے کوئی ایسا لفظ ہی نہیں ہے تو اپنی مرضی

سے اس کی تعیین کر لینا یہ تو متکلم پر ایسی بات کہنا ہے جس کا متکلم کو بھی کوئی علم نہیں ہے بلکہ متکلم کو ایسے ارادہ کی اطلاع دینا ہے جس کا اسے خیال بھی نہیں ہے اور جس پر کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے لہٰذا یہ اعلانیہ جھوٹ ہے۔

4 سیاق کلام میں یہ بات موجود ہے جو اس تقدیر کو باطل قرار دے رہی ہے اور یہ بات ہے کہ "وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ" تیرا رب بھی آئے اور فرشتے بھی آئیں گے۔ فرشتوں کے آنے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے آنے پر معطوف کیا گیا ہے، تو دونوں کی آمد ایک دوسرے سے علیحدہ اور الگ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا آنا بھی بالکل ویسے ہی حقیقت پر مبنی ہے جس طرح فرشتوں کو آنا مبنی بر حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا آنا اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ فرشتوں کے آنے سے بڑھ کر اسے حقیقت پر مبنی کہا جائے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ (٦/ الانعام:١٥٨)

''کیا یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے۔''

فرشتوں کے آنے، رب تعالیٰ کے آنے اور تیرے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آنے میں قسم اور نوع کا فرق ہے۔ اس فرق کے ہوتے ہوئے دونوں اقسام کا ایک ہونا منع اور ناممکن ہے۔ ذرا غور کریں۔

امام موصوف نے اور بھی کئی وجوہات کا تذکرہ فرمایا ہے جن کا ذکر باعث طوالت ہے فرماتے ہیں: جو یہ کہتا ہے ''اس کا حکم آئے گا اور اس کی رحمت اترے گی اگر تو اس کی مراد یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ اتریں گے اور جلوہ افروز ہوں گے تب اس کا حکم بھی آئے گا اور اس کی رحمت بھی اترے گی تو یہ امر حق ہے، اور اگر اس کی مراد آنے اور نزول فرمانے سے صرف رحمت اور امر ہی ہے تو یہ مفہوم کئی وجوہ سے محض باطل ہے جن میں سے چند کا تذکرہ گزر

چکا ہے۔ مزید ہم چند دیگر وجوہات اس طرح ذکر کیے دیتے ہیں۔

1 یہ پوچھا جائے گا کیا تم اس کی رحمت اور اس کے حکم سے مراد ایسی صفات لیتے ہو جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں یا کوئی الگ مخلوق ہیں جنہیں تم نے رحمت اور امر کا نام دے رکھا ہے۔ اگر تو تم نے پہلا معنیٰ مراد لیا ہے تو ان کے نزول سے ذات باری تعالیٰ کا نزول لازم آتا ہے اور اس کا آنا قطعاً ثابت ہو رہا ہے، اور اگر تمہاری مراد دوسرے معانی میں یعنی قیامت کے روز مخلوقات کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے کوئی نئی مخلوق اترے گی اور جلوہ نما ہوگی جو کہ رب العالمین کے علاوہ ہوگی تو یہ معنیٰ اور مراد بالکل باطل ہے۔ یہ تو قرآنی خبر کی صراحتاً تکذیب ہے اس طرح تو یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ وہ آسمان دنیا کی جانب نزول نہیں فرماتا اور نہ ہی وہ فیصلہ جات کرنے کے لیے تشریف لائے گا بلکہ اترتا بھی کوئی اور ہے اور آتا بھی کوئی اور ہے۔

2 (اگر نزول سے مراد حکم کا نزول ہے تو پھر) قول کس طرح صحیح ہوسکتا ہے، کہ وہ مخلوق سے یوں کہے ''میں اپنے بندوں سے اس کے سوا کچھ اور نہیں مانگتا، اور وہ یوں کہے ''مَنْ یَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرَلَهٗ'' (کون ہے جو مجھ سے معافی مانگے تو میں اسے معاف کردوں) اس کی رحمت اور اس کے حکم کے نزول سے تو اس ذات عالی کا نزول لازم اور مستلزم ہے اور اس کو کسی غیر مخلوق کے لیے ثابت کرنا باطل ہے۔ جس باطل کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب منسوب کرنا باوجود اس کے کہ اس کی خبر کی کھلم کھلا تردید بھی ہو رہی ہو کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

3 اس کی رحمت اور اس کے حکم کا نزول رات کے تیسرے پہر سے خاص کرنے کا بھی کوئی معنیٰ نہیں رہے گا، نہ یوں ہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی رحمت اور اس کا حکم ایک وقت میں اترتا ہے اور دوسرے میں نہیں اترتا بلکہ اس کی رحمت اور اس کا حکم تو بلا توقف اور بلا انقطاع مسلسل وپیہم اتر رہے ہیں، پورا عالم بالا ہو یا عالم زیریں لحہ بھر اور آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اس کے حکم اور اسکی رحمت سے الگ نہیں ہے۔ [1]

---

[1] مختصر الصواعق، ص: ٢٦٠، ج ٢۔

صفت الوجہ

سوال نمبر: ۱۰۶ مندرجہ ذیل آیات کا مفہوم واضح کریں:

1 ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (۲۸/ القصص:۸۸)

''ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اس کا چہرہ۔''

2 ﴿إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ﴾ (۹۲/ اللیل:۲۰)

''بلکہ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔''

3 ﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (۵۵/ الرحمن:۲۷)

''صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور احسان والی رہ جائے گی۔''

جواب ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت وجہ (چہرہ) کا ثبوت ہے۔ جو اس کی ایسی ذاتی صفات میں سے ہے جو کسی لحہ بھی اس سے الگ اور جدا نہیں ہوتی، کتاب وسنت دونوں سے اس کے ثبوت پر دلائل موجود ہیں۔

کتاب اللہ کے دلائل اوپر ذکر ہو چکے ہیں رہے سنت سے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

نبی اکرم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے چہرے کے ساتھ پناہ مانگی ہے اور آپ اپنی دعاؤں میں یہ بھی کہا کرتے تھے:

((أَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ)) [1]

''میں تیرے چہرے کے دیدار کی لذت کا سوال کرتا ہوں۔''

صفات کی نفی کرنے والوں کا قول کہ وجہ (چہرے) سے جہت یا ثواب یا ذات مراد ہے باطل ہے، اور جس موقف پر اہل حق قائل ہیں وہ یہ ہے کہ وجہ ذات باری تعالیٰ کی ایک صفت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی: ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام۔

---

[1] سنن نسائی، کتاب السهو، باب نوع آخر: ۱۳۰۵۔

اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف

سوال نمبر: ۱۰۷ اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی اقسام بیان کریں۔

جواب اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی دو اقسام ہیں:

① ایسی اشیاء اور ذاتوں کا وجود جو اپنا وجود رکھتی ہیں جس طرح کہ بیت اللہ، ناقۃ اللہ (اللہ تعالیٰ کی اونٹنی) عبداللہ، روح اللہ، رسول اللہ۔ ایسی اشیاء کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت اختصاص اور تشریف کی متقاضی اور ایسی سب اشیاء مخلوقات الٰہی میں سے ہیں۔

② ایسی صفات جو صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہی قائم ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی حیات، قدرت، عزت، سمع، بصر، ارادہ، کلام، ہاتھ اور چہرہ وغیرہ۔ تو ایسی صفات جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کے ساتھ آئیں گی تو صفت کی موصوف کی جانب اضافت ہوگی، اس طرح وہ سب اضافتیں ہیں جن کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی ہے۔

اگر تو وہ اعیان یعنی وجود والی چیزیں ہیں جیسا کہ روح ہے۔ اسی سلسلے میں یہ فرمان اقدس ہے:

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ﴾

(۴۵/ الجاثیۃ:۱۳)

''اور آسمان وزمین کی ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہارے لیے مطیع کر دیا ہے۔''

تو یہ تمام کی تمام اشیاء تخلیق کے اعتبار سے اور تقدیر کے اعتبار سے اس کی طرف مضاف ہیں۔

اور اگر یہ اشیاء اوصاف سے ہوں جیسا کہ یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ ﴾ (۳۹/ الزمر:۱)

''اس کتاب کا اتارنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔''

تو یہ دلالت کرتی ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں کیونکہ یہ بذات خود صفات کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ اسی لیے جب اسلاف اس فرق کی طرف رہنمائی کر گئے ہیں، جس سے حق و باطل کے درمیان تمیز ہوتی ہے تو انہیں صراط مستقیم کی ہدایت دی گئی۔

دونوں ہاتھوں کا بیان

سوال نمبر: ۱۰۸ اللہ تعالیٰ کے فرامین ذیل سے آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟

① ﴿ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ﴾ (٥/ المآئدة:٦٤)

"بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔"

② ﴿ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ (٣٨/ صٓ:٧٥)

"تجھے اسے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔"

③ ﴿ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ ﴾ (٣٩/ الزمر:٧٩)

"اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔"

④ ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا ﴾

(٣٦/ یٰسٓ:٧١)

"کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے یہ چوپائے جانور بھی پیدا کر دیے ہیں۔"

جواب ان آیات میں "دونوں ہاتھوں کا اثبات ہے اور یہ دونوں ہاتھ اس کی ان ذاتی صفات میں سے ہیں جو اس کی ذات کبریاء سے الگ اور علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان دونوں کا ذات باری تعالیٰ کے لیے حقیقت میں اثبات کرنا جیسے اس کی شان اور عظمت کے لائق ہے، لازمی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے صرف تین چیزوں کو تخلیق فرمایا ہے:

1. حضرت آدم علیہ السلام
2. جنت عدن
3. تورات کی تحریر

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی بحث وتکرار میں بھی یہ بات ہے۔

((اَنْتَ الَّذِیْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ)) [1]

''تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے تخلیق فرمایا ہے۔''

دونوں ہاتھوں کی نعمت یا قدرت سے تاویل کرنے والوں کی تردید

سوال نمبر: ۱۰۹ اس آدمی کی کس طرح تردید کی جائے گی جو ہاتھ کو نعمت یا قدرت یا ایسے ہی دیگر معانی کے ساتھ تاویل کرتا ہے؟

جواب اس کی تردید اس طرح کی جائے گی جیسے کہ امام محقق ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر الصواعق میں کئی وجوہ سے ذکر فرمایا ہے جن سے جہمیہ اور ان جیسے دیگر لوگوں کی تحریف باطل ہو جاتی ہے۔ ہم ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیے دیتے ہیں:

1. کلام میں اصل حقیقت ہے، مجاز کا دعویٰ اصل کے مخالف ہے۔
2. یہ تاویل ظاہر کے برعکس ہے۔ اصل اور ظاہر الفاظ اس دعویٰ کے باطل ہونے پر متفق ہیں۔
3. ان الفاظ کا تنوع اور ان کے استعمال کے کئی صیغے مجاز کے لیے مانع ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے فرمان الٰہی:

﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (۳۸/ ص:۷۵)

''میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔''

فرمان اقدس:

---

[1] بخاري، كتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار: ٦٥٦٥۔

﴿ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ﴾ (٥/ المائدة:٦٤)

''بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔''

فرمان گرامی:

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ﴾ (٣٩/ الزمر:٦٧)

''اور ان لوگوں نے جیسی عظمت اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی، ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔''

اگر یہ لفظ مجازی معنیٰ یعنی قدرت اور نعمت کے معانی میں ہوتا تو داہنے کا لفظ استعمال نہ کیا جاتا۔ اور نبی کریم ﷺ کا فرمان اقدس صحیح حدیث مبارکہ میں یوں آتا ہے۔

((اَلْمُقْسِطُوْنَ عَلٰى مَنَابِرَ مِّنْ نُوْرٍ عَنْ يَّمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ)) [1]

''انصاف کرنے والے رحمٰن کے داہنی طرف نور کے منبروں پر ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ ہی داہنے ہیں۔''

یوں نہیں کہا جائے گا یہ نعمت اور قدرت کا ہاتھ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان گرامی:

((يَقْبِضُ اللّٰهُ سَمٰوٰتِهٖ بِيَدِهٖ وَالْاَرْضَ بِيَدِهِ الْاُخْرٰى ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ)) [2]

''اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنے ایک ہاتھ میں پکڑ کر مٹھی بند کرے گا اور زمین کو دوسرے ہاتھ میں رکھ کر انہیں حرکت دے گا پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں۔''

یہاں پر پکڑنے یا مٹھی بند کرنے اور حرکت دینے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے۔ جب

---

[1] مسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل: ١٨٢٧۔

[2] بخاري، كتاب التوحيد، باب كلام الرب تعالى...... ٧٥١٣۔

نبی کریم ﷺ اس حدیث مبارکہ کو ذکر کر رہے تھے تو آپ اپنے ہاتھوں کو مٹھی کی طرح بند فرماتے اور کھول رہے تھے یہ حقیقت کو بیان کرنے کے لیے تھا، نہ کہ تشبیہ دینے کے لیے تھا۔

④ ایسے مجازی پیرائے میں لفظ تثنیہ کا استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ صرف مفرد یا جمع کا ہی استعمال ہو سکتا ہے جیسے کہ آپ کہیں:

((لَهُ عِنْدِيْ يَدٌ يَجْزِيهِ اللّٰهُ بِهَا))

''اس کا مجھ پر احسان ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ عطا فرمائے۔''

یا

((وَلَهُ عِنْدِيْ اَيَادِيْ))

(مجھ پر اس کے احسانات ہیں۔)

''لیکن جب اس کا استعمال صیغہ تثنیہ کے ساتھ کیا جائے گا تو اس سے مراد فقط حقیقی ہاتھ ہی لیا جائے گا۔''

⑤ یہ بات دستور وقانون کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے متعلق قدرت یا نعمت کا اطلاق کرنا چاہے اور پھر لفظ تثنیہ بیان کرے جیسا کہ ارشاد گرامی ہے۔

﴿ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۶۵)

''کہ تمام طاقت اللہ ہی کے لیے ہے۔''

یا یہ فرمان اقدس ہے:

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ (۱۶/ النحل:۱۸)

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو تم اسے نہیں کر سکتے۔''

حالانکہ بعض اوقات لفظ نعمت کی جمع نعم بھی آتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ﴾ (۳۱/ لقمان:۲۰)

''اور تمہیں اپنی ظاہری وباطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں۔''

البتہ یہ قول

((خَلَقْتُكَ بِقُدْرَتَيْنِ اَوْ بِنِعْمَتَيْنِ))

”میں نے تجھے دو قدرتوں سے یا دو نعمتوں سے تخلیق فرمایا۔“

یعنی تثنیہ کے ساتھ ایسا قول اللہ تعالیٰ کی کلام میں نہیں آیا اور نہ ہی اس کے رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام میں آیا ہے۔

⑥ اگر کہیں ایسا استعمال ثابت بھی ہو جائے تب بھی قدرت کا معنیٰ مراد لینا جائز نہیں ہوگا کیونکہ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصیت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور تمام مخلوقات حتیٰ کہ ابلیس بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت ہی سے تو پیدا کیے گئے ہیں تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کو ابلیس پر اس فرمان اقدس میں کون سی برتری اور فوقیت باقی رہ جائے گی:

﴿ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ (۳۸/ ص:۷۵)

”تجھ کو اسے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔“

⑦ فرمان باری تعالیٰ: خَلَقْتُ بِيَدَيَّ میں مذکور ترکیب کلام کو قدرت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مخلوق اور تخلیق کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ پھر اللہ نے فعل تخلیق کو ہاتھوں کی جانب متعدی فعل بناتے ہوئے نسبت کیا ہے۔ پھر اسے تثنیہ بنایا ہے پھر اس کے ساتھ حرف باء کو ملایا جو اس مثال میں بھی موجود ہے ”كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ“ (میں نے قلم کے ساتھ لکھا) تو الفاظ آیت کا معنی یہ ہوگا؟: خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ پیدا کیا) تو ایسے الفاظ نص صریح ہیں جن میں کسی صورت بھی مجازی معنی کا احتمال تک نہیں ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بیس وجوہات ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: ”ہاتھ“ کا لفظ قرآن کریم، سنت نبوی، کلام نبوی، کلام صحابہ اور کلام تابعین میں تقریباً سو بار سے زائد استعمال ہوا ہے جو متنوع بھی ہے مختلف صیغوں میں بھی ہے اور سبھی مقامات میں اس ہاتھ کے حقیقی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے غور فرمائیں۔ الامساک (پکڑنا، تھامنا) القبض (پکڑنا، مٹھی

میں لینا) البسط (کھولنا، کشادہ کرنا) المصافحہ، الحثیات (چلو بھرنا): ہاتھ سے پکانا، دونوں ہاتھوں سے تخلیق کرنا، دونوں ہاتھوں کو براہِ راست استعمال کرنا، تورات کو اپنے ہاتھ سے تحریر کرنا، عدن کے باغات کو اپنے ہاتھ سے لگانا، حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے خمیر بنانا، بندے کا اس کے ہاتھوں کے درمیان کھڑے ہونا۔ انصاف کرنے والوں کا اس کے داہنے ہاتھ کی طرف ہونا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کے دن اس کے داہنی طرف کھڑے ہونا، حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں میں موجود چیزوں کے بارے میں اختیار رہنا اور ان کا یہ فرمانا:

((اِخْتَرْتُ یَمِیْنَ رَبِّیْ))

''میں نے اپنے رب کے داہنے ہاتھ کو اختیار کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا صدقہ خیرات کو اپنے دائیں ہاتھ میں لینا، پھر اسے صاحب صدقہ کے لیے بڑھاتے رہنا، پھر اس کا اپنے ہاتھ سے اپنی ذات کے لیے یہ تحریر کرنا کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور یہ کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا...... وغیرہ۔

دونوں آنکھوں کی صفت کا بیان

سوال نمبر: ۱۱۰ مندرجہ ذیل آیات مبارکہ سے آپ کیا معنی سمجھ رہے ہیں؟

① ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (۵۲/ الطور:۴۸)

''تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے بیشک تجھ پر ہماری آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔''

② ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾ (۵۴/ القمر:۱۴)

''جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔''

③ ﴿أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (۲۳/ المومنون:۲۷)

''تو ہماری آنکھوں کے سامنے ایک کشتی بنا۔''

﴿وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۳۹)

''تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔''

جواب ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے دونوں آنکھوں کی صفت کا بیان ہے اور یہ دونوں آنکھیں اس کی ان ذاتی صفات میں سے ہیں جو اس سے کسی صورت بھی جدا نہیں ہو سکتیں لہٰذا انہیں اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی معانی میں جس طرح اس کی عظمت اور جلال کے لائق ہے، اسے کتاب وسنت کے دلائل اور اجماع اہل حق کی روشنی میں تسلیم کیا جائے گا۔ کتاب اللہ سے دلائل تو اوپر مذکور ہو چکے ہیں رہے سنت کے دلائل تو صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِاَعْوَرَ اَلَآ اِنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ اَعْوَرُ عَنِ الْيُمْنٰى كَاَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ)) [1]

"اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے مگر یہ بات سچ ہے کہ مسیح دجال داہنی آنکھ سے کانا ہوگا گویا کہ وہ خوشۂ انگور میں ابھرا ہوا دانہ ہے۔"

((اِذَا قَامَ الْعَبْدُ فِي الصَّلَاةِ قَامَ بَيْنَ عَيْنَيِ الرَّحْمٰنِ)) [2]

"جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو رحمن کی دونوں آنکھوں کے درمیان کھڑا ہوتا ہے۔"

رہا یہ معاملہ کہ بعض نصوص میں لفظ عین مفرد ہے اور بعض میں جمع ہے تو اہل بدعت کے لیے اس صفت کی نفی کرنے کی سرے سے کوئی گنجائش اور دلیل نہیں ہے۔ لغت عرب میں مضاف الیہ کی حالتوں کے حساب سے مضاف کو مفرد، تثنیہ یا جمع لایا جاتا ہے۔

اگر مفرد مضاف الیہ کی طرف واحد متصل لفظ کو مضاف کیا جائے تو اسے مفرد ہی لاتے ہیں۔ لیکن اگر اسے ظاہر جمع یا مضمر جمع کی طرف مضاف کرتے ہیں تو لفظ کو ہم شکل اور ہم درجہ رکھنے کے لیے جمع لانا ہی مستحسن ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا﴾ (٥٤/ القمر:١٤)

---

[1] بخاری، كتاب أحاديث الأنبياء: ٣٤٤٠۔ [2] یہ الفاظ مجھے نہیں مل سکے۔ البتہ بخاری میں ہے کہ "إِنَّ رَبَّهُ بينهُ وبين القبلة" بخاری، كتاب الصلاة، باب حك البزاق..... ٤٠٥۔

''جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔''

اور اگر اسے ضمیر جمع کی جانب مضاف کیا جاتا ہے تو اسے بھی جمع ہی لایا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا ﴾ (۳۶/ یس:۷۱)

''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے چوپائے جانور بھی پیدا کر دیے ہیں۔''

اور اگر عرب لوگ اسے تثنیہ کی جانب مضاف کرتے ہیں تو ان کی لغت میں مضاف کو جمع لانا ہی زیادہ فصیح ہے جس طرح کہ یہ فرمان اقدس ہے:

﴿ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ﴾ (۶۶/ التحریم:۴)

''یقیناً تمہارے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔'' واللہ اعلم

لفظ ''اسم'' اور لفظ ''اسم مضاف'' لانے میں کیا فرق ہے؟

سوال نمبر: ۱۱۱ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں صرف اسم اور اسم مضاف لانے میں کیا فرق ہے؟

جواب جہاں پر اللہ تعالیٰ کے ذات گرامی کے متعلق صرف اسم آئے ہیں مثلاً الرحمٰن، الرحیم، العزیز، الحکیم السمیع اور العلیم وغیرہ ان اسماء میں سے ہر ایک اسم اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت پر دلالت کرتا ہے اور اس فعل سے مشتق کیا جا سکتا ہے۔ اور جہاں پر لفظ اسم مضاف، آیا ہے مثلاً:

﴿ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ (۴/ النساء:۱۴۲)

''وہ اللہ سے چالبازیاں کر رہے ہیں اور وہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے۔''

﴿ وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ﴾ (۱۱/ ھود:۱۰۲)

''تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔''

﴿ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ﴾ (۱۳/ الرعد:۱۳)

''اور اللہ سخت قوت والا ہے۔''

تو ایسے اسماء کا اللہ تعالیٰ پر ہی اطلاق ہوتا ہے لیکن صرف اضافت کے ساتھ جس طرح وہ وارد ہوں۔ ''خَادِعُ الْمُنَافِقِيْنَ'' إِنَّ أَخْذَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ''

یا پھر لفظ فعل کے ساتھ استعمال کیا جائے گا جیسے: ''يُخَادِعُ مَنْ خَادَعَهٗ، يَأْخُذُ مَنْ عَصَاهُ، يَأْخُذُ الظَّالِمِيْنَ'' ایسے افعال سے اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی اسم مشتق نہیں کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں یوں نہ کیا جائے گا ''الخادع، المخادع، الشدید، الاخذ۔''

جہاں پر 'لفظ فعل' وارد ہے

سوال نمبر: ۱۱۲ جہاں پر لفظ فعل وارد ہے مثلاً فرمان الٰہی:

① ﴿ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴾ (۳/ آل عمران:۵٤)

''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔''

② ﴿ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا ﴾ (۱٦/ النحل:۵۰)

''انہوں نے مکر کیا اور ہم نے تدبیر کی۔''

③ ﴿ قُلِ اللّٰهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ﴾ (۱۰/ یونس:۲۱)

''آپ کہہ دیجئے کہ اللہ انہیں شرارت کی سزا بہت جلد دے گا۔''

④ ﴿ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ﴾ (۸/ الانفال:۳۰)

''اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا۔''

⑤ ﴿ إِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّأَكِيْدُ كَيْدًا ﴾ (۸٦/ الطارق:۱۵۔۱٦)

''البتہ کافر داؤ گھات میں ہیں اور میں بھی داؤ کر رہا ہوں۔''

⑥ ﴿ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴾ (۷/ الاعراف:۱۸۳)

''اور ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔''

مذکورہ آیات میں لفظ فعل کا کیا حکم ہے؟

جواب ان افعال کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق ایسے ہی ہوتا ہے جیسے کہ وارد ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء مشتق کرنا جائز نہیں ہیں اور اس طرح یہ نہیں کہا جائے گا کہ 'الماکر' 'الکائد' بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہیں کیونکہ یہ وارد نہیں ہیں۔

البتہ 'مکرا' اور 'کیدا' کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے (کہا جاتا ہے) صرف مقابلہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے:

﴿ وَجَزَٰٓؤُا۟ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۖ ﴾ (۴۲/ الشوریٰ:۴۰)

''اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔''

اور دوسری مثال:

﴿ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا۟ بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِۦ ۖ ﴾ (۱۶/ النحل:۱۲۶)

''اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمہیں پہنچایا گیا ہو۔''

اور یہ بھی کہا جاتا کہ یہ اس باب سے ہے۔

''مکر'' کے معانی: کسی بات کو ظاہر کرنے جبکہ اس کے برعکس اصل کو چھپانا، تاکہ مراد کو پالے۔

اس کی دو اقسام ہیں: محمود (اچھی) اور مذموم (بری)

مذموم اور قبیح صورت یہ ہے کہ کسی غیر مستحق کو یہ مراد پہنچائی جائے جبکہ محمود اور حسن صورت یہ ہے کہ سزا دینے کے لیے اسے کسی مستحق تک پہنچایا جائے۔ جو محمود صورت ہے اس کی اللہ تعالیٰ کی جانب نسبت کی جائے گی جبکہ دوسری مذموم کی اللہ تعالیٰ کی جانب نہیں کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا مکر، اہل مکر کے ساتھ صرف ان کے فعل کا مقابلہ کرنے کے لیے ہے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دینے کے لیے ہے، مکر کے معاملے میں جو بات کہی گئی ہے، کید کے

بارے میں بھی یہی کچھ کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ وہی کچھ کرتا ہے جو اس کی حکمت اور عدل کا تقاضا ہے لہٰذا اس پر صرف حمد و ستائش ہی کیا جائے گی۔

عفو، قدرت، مغفرت اور رحمت کی صفات کا بیان

سوال نمبر: ۱۱۳ درج ذیل آیات کے معانی آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟

① ﴿ إِن تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَن سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴾ (٤/ النساء:١٤٩)

"اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ یا کسی برائی سے درگزر کرو، پس یقیناً اللہ تعالیٰ پوری معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے۔"

﴿ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (٢٤/ النور:٢٢)

"بلکہ معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما دے؟ اللہ گناہوں کو معاف فرمانے والا مہربان ہے۔"

جواب مذکور آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت عفو، صفت قدرت، صفت مغفرت، اور صفت رحمت کا اثبات ہے۔ عفو اللہ تعالیٰ کا نام اور اس کی صفت ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب بندے توبہ کریں اور اس کی جانب رجوع کریں تو وہ اپنے بندوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ ﴾ (٤٢/ الشوریٰ:٢٥)

"وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔"

یہ لفظ یعنی "عفو" "الغفور" کا ہم معنی ہے البتہ یہ اس سے بلیغ تر ہے بس یوں سمجھیں کہ غفر پردہ پوشی کی جبکہ عفو مٹانے کی خبر دے رہا ہے۔ یہ بات معلوم شدہ ہے کہ مٹانا چھپانے سے بلیغ تر ہے۔ تو چونکہ مکمل معافی انتقام لینے اور مواخذہ کرنے کی قدرت کاملہ رکھنے کی بھی غمازی کرتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نام العفو کے ساتھ القدیر کو ملا کر بیان فرمایا ہے۔

جس طرح کہ پہلی آیت مبارکہ میں ہے۔ اگر اس کی درگزر اور عفو والی صفت نہ ہوتی تو زمین کی پشت پر کوئی بھی چلنے پھرنے والا جاندار نہ ہوتا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے یوں فرمایا ہے:

وَھُوَ الْعَفُوُّ فَعَفْوُہٗ وَسِعَ الْوَرٰی
لَوْلَاہُ غَارَتِ الْاَرْضُ بِالسُّکَّانِ

"اور وہ درگزر کرنے والا ہے اس کی معافی پوری مخلوق پر وسیع ہے اگر اس کی معافی نہ ہوتی تو زمین سب رہنے والوں کو اپنے اندر دھنسا لیتی۔"

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے القدیر بھی ایک اسم ہے جسے کوئی بھی عاجز نہیں بنا سکتا، اس پر گفتگو قبل ازیں گزر چکی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں معاف کرنے اور مکارم اخلاق کو اپنانے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جنس عمل سے جزاء دی جائے گی۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف کرم اور اس کے حکم کا اثبات ہے جبکہ وہ بندے اپنی جانوں پر ظلم کریں۔ بندہ کے افعال کا بھی اثبات ہے کہ حقیقت میں وہی اپنے کاموں کا فاعل ہے۔ اس آیت مبارکہ میں جبریہ فرقہ کی تردید ہو رہی ہے جو یہ گمان اور خیال رکھتے ہیں کہ بندے کا کوئی فعل نہیں ہے بس اس فعل کی بندے کی طرف نسبت مجازی ہے۔

آیت مبارکہ کے اختتام میں مذکورہ دونوں صفات سے اس جانب اشارہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام مذکورہ بات کے مناسب استعمال ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنے فعل اور احکام دونوں کو یکجا بیان فرمایا ہے۔

اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ایسے اوصاف اور معانی سے مشتق ہیں جن کے ساتھ اس کی ذات قائم ہے۔ لہٰذا یہ اسماء بھی ہیں اور صفات بھی ہیں اسی لیے یہ تمام حسنیٰ ہیں لہٰذا ان سے بڑھ کر نہ ہی کوئی نام اشرف ہے اور نہ ہی احسن ہے۔

صفت عزت کا بیان

سوال نمبر: ۱۱۴ مندرجہ ذیل آیات کریمات سے آپ کیا سمجھ رہے ہیں:

① ﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (٦٣/ المنافقون:٨)

''سنو عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے۔''

اور ابلیس کے قول کو بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد گرامی ہے:

② ﴿فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (۳۸/ ص:۶۵)

''تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو یقیناً بہکا دوں گا۔''

③ ﴿إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (۱۰/ یونس:۶۵)

''تمام تر غلبہ اللہ ہی کے لیے ہے، وہ سنتا جانتا ہے۔''

اس کے ساتھ ساتھ عزت کی اقسام بھی ذکر کریں۔

جواب مذکورہ آیات اللہ تعالیٰ کی صفت عزت کے ثبوت پر مشتمل ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی ان ذاتی صفات میں سے ہے جو اس سے الگ نہیں ہوتی، اس کی تین اقسام ہیں۔

1. عزت القوۃ اس پر اللہ تعالیٰ کے اسماء ''القوی'' اور ''المتین'' دلالت کر رہے ہیں۔
2. عزت الامتناع، یقیناً وہ غنی اور بے نیاز ہے لوگوں میں یہ ہمت نہیں کہ اس کو نقصان پہنچا سکیں، اور نہ ہی اسے نفع دے سکتے ہیں۔
3. عزت القہر: یعنی پوری کائنات پر غلبہ اور نگرانی کی قوت۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے النونیہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَهُوَ الْعَزِيزُ فَلَنْ يُرَامَ جَنَابُهُ
أَنّٰى يُرَامُ جَنَابُ ذو السلطاني

وہ ایسا عزیز (قوت و غلبے والا) ہے کہ اس کی ذات جناب کا قصد بھی نہیں کیا جا سکتا، سلطنت والی جناب و سرکار کی قصد کیا بھی کیسے جا سکتا ہے؟

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْقَاهِرُ الْغَلَّابُ لَمْ
لِغَلِبه شَيْئٌ هٰذِهِ صِفَتَانِ

''وہ ایسا عزیز قاہر اور زبردست غلبے والا ہے کوئی بھی اس پر غالب نہیں آ سکا تو یہ

دونوں اس کی صفتیں بن گئیں۔“

وَهُوَ الْعَزِيْزُ بِقُوَّةٍ هِيَ وَصْفُهُ
فَالْعِزُّ حِيْنَئِذٍ ثَلَاثُ مَكَانٍ

”وہ قوت کے ساتھ بھی عزیز ہے یہ بھی اس کی صفت ہے، تو اس طرح عزت کے تین معانی پورے ہوئے۔“

فرمان باری تعالیٰ اور فبعزتك سے عزت کے ساتھ قسم کھانے کا جواز بھی لیا جاتا ہے کیونکہ یہ صفت الٰہی ہے اور باقی تمام صفات بھی اس کی مثل ہیں یعنی ان کے ساتھ قسم کھائی جا سکتی ہے۔

اور دوسری بات یہ ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق نہیں ہیں، کیونکہ مخلوق کے ساتھ قسم اٹھانا شرک ہے۔

وہ عزت جو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

1. جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت مخلوق کی خالق کی طرف اضافت ہے۔
2. جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کرتے ہوئے صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہو، جس طرح کہ دوسری آیت مبارکہ میں ہے (فبعزتك) اور حدیث مبارکہ میں موجود ہے:

اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ

”میں اللہ تعالیٰ عزت کے ساتھ اور اس کی قدرت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔“

اضافت ہو تو یہ عزت مخلوق ہوئی جس عزت کے ساتھ وہ اپنے انبیاء اور نیک ایمان داروں کو عزت دار بناتا ہے۔

صفت برکت کا بیان

سوال نمبر: ۱۱۵ فرمان الٰہی:

﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ (۵۵/ الرحمٰن:۷۸)

سے آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟

جواب اس کا معنیٰ ہے کہ اس کے سبھی نام بلند ہیں اس کی جمیع صفات عظیم اور مقدس ہیں۔ جلال اور عظمت اللہ تعالیٰ کی دو صفات ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ذات کو جلال، عظمت اور ان افعال کے ساتھ جن میں ربوبیت، الوہیت، حکمت اور دیگر صفات کمال پر دلالت ہے، کے ساتھ قابل ستائش ٹھہرایا ہے اللہ تعالیٰ نے لفظ تبارک کا ذکر فرمایا ہے مثلاً فرقان کو نازل کرنا، دونوں جہانوں کو تخلیق فرمانا، آسمان میں برجوں کا بنانا، پورے ملک کا تنہا بادشاہ ہونا، کمال قدرت کا بلا شرکت غیرے قادر وقدیر ہونا وغیرہ۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بابرکت ہونا ایسی صفت ہے جو ذاتی صفات میں سے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس لفظ کی اپنے اسم کی جانب نسبت فرماتے ہیں۔

سوال نمبر: ۱۱۶ برکت کی کتنی اقسام ہیں اور وہ کون کون سی ہیں؟

جواب برکت کی دو اقسام ہیں۔

1. ایک برکت تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس ضمن میں بارک فعل ہے، کبھی تو اپنے وجود اور ذات کے ساتھ اور کبھی حرف علٰی کے ساتھ اور کبھی حرف فی کے ساتھ متعدی فعل استعمال کرتے ہیں۔ اس سے اسم مفعول مبارک بنتا ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ برکت والا بنا دے وہ جیسے بھی بنا دے۔

2. دوسری قسم وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ رحمت اور غیرت کی اضافت کرتے ہیں اس ضمن میں فعل تبارک استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی غیر کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا یہ صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ کے لیے مناسب ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بھی مبارک ہے اس کا بندہ اور اس کا رسول بھی مبارک ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں ہے:

﴿وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا﴾ (۱۹/ مریم:۳۱)

''اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے۔''

تو جس میں یا جس پر اللہ تعالیٰ برکت فرمادے تو وہی مبارک ہے۔ تو رہی یہ اللہ تعالیٰ کی صفت تو یہ صرف اسی کے ساتھ خاص اور مختص ہے جس طرح کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے اس کا اطلاق کیا ہے فرمان گرامی ملاحظہ ہو:

﴿ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾ (۷/ الاعراف:۵٤)

''بہت برکت والا ہے اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔''

کسی ہم نام اور ہم شکل کی نفی

سوال نمبر: ۱۱۷ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اقدس کا آپ کیا معنیٰ سمجھ رہے ہیں؟

﴿ فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا۝ ﴾ (۱۹/ مریم:٦۵)

''تو اس کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر جم جا کیا تیرے علم میں اس کا ہمنام (ہم پلہ) کوئی اور بھی ہے؟''

جواب اس آیت مبارکہ میں درج ذیل باتیں سامنے آ رہی ہیں:

1. اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے، اور اس کے ضمن ہی میں غیر اللہ کی عبادت کی نہی ہے۔ اور عبادت کی تعریف یہ ہے:

((اسم جامع لکل ما یحبه الله و یرضاه من الاقوال والاعمال الظاهرة والباطنة))

''عبادت ایک ایسا جامع اسم ہے جو تمام ایسے ظاہری باطنی اقوال وافعال کو شامل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور جن سے راضی ہوتے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں ''والصبر لعبادته'' یعنی جب تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان پائی جانے والی تمام اشیاء پر اس کا غلبہ ہے اور وہی ان دونوں کے اطراف واکناف کو تھامے ہوئے ہے تو پھر اس کی عبادت کر بلکہ اس عبادت کی ادائیگی میں پیش آمادہ شدائد ومشکلات پر صبر کا دامن بھی تھام کر رکھیں۔

اس آیت مبارکہ میں استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی تجھے اس کا کوئی ہم پلہ اور ہم

نام بالکل معلوم نہیں ہے لہٰذا اس کا یکتا اور تنہا ہونا عبادت کا متقاضی ہے کیونکہ وہ اکیلا ہی ہر طرح کی چھوٹی بڑی نعمتوں کو عطا کرنے والا ہے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ اس کی ربوبیت کے اعتراف کے ساتھ، اس کی سلطنت کی اس کے سامنے عاجزی اختیار کرنے کے ساتھ اور اس وحدہ لاشریک کی خالص عبادت کرنے کے ساتھ، کیا آپ کوئی اس کا ہم نام پاتے ہیں کیونکہ اس کے کچھ نام ایسے بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی (مخلوق) کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ جب کوئی نام اس کی ذات کے متعلق استعمال ہوتا ہے تو اس کا فقط ایسا معنیٰ نہیں ہوگا جو معنیٰ کسی غیر کے لیے استعمال کرنے میں ہوگا۔

ہم پلہ اور ہم سر کی نفی

سوال نمبر: ۱۱۸ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرامین سے آپ کیا سمجھ رہے ہیں؟

① ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ﴾
(۲/ البقرہ:۱۶۵)

"بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا لیتے ہیں۔"

② فرمان گرامی ہے:

﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ (۱۱۲/ الاخلاص:۴)

"اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔"

③ ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۲)

"خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔"

جواب انداد کے معانی امثال اور نظیر ہیں (امثال مثل کی جمع اور نظر نظیر کی جمع ہے)

الکفو کا معنیٰ برابری کرنے والا ہم پلہ اور ہم سر ہے۔

پہلی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ظاہری حالات اور دنیاوی اشیاء کو جو اس کی توحید، اس کی رحمت اور قدرت پر دلالت کر رہی ہیں بیان کرنے کے بعد اس بات کی خبر دی ہے کہ اس ظاہر دلیل کے باوجود لوگوں میں ایسے لوگ بھی پاتے جاتے ہیں جو ان ظاہر نشانیوں میں غور و فکر بھی نہیں کرتے جن سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل قائم ہو رہی ہے اس

کے باوجود انہوں نے اس کے ساتھ ایسے شریک بنا رکھے ہیں جن کی وہ پرستش کر رہے ہیں مثلاً اصنام ہیں اور ان کی ایسی عبادت کر رہے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ہے لوگ محبت و تعظیم کے جذبات میں اسے اس رب کائنات کے برابر ٹھہرا رہے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں محبت کے ذکر سے وہ شرکیہ محبت مراد ہے جو خوف، تعظیم، اجلال اور نفس مراد پر ایثار کرنے کو مستلزم ہے۔ ان مذکور اشیاء کو غیر اللہ کے لیے پھیرنا شرک اکبر ہے جو توحید کے بالکل منافی ہے۔

جبکہ دوسری آیت کریمہ میں ہر اعتبار سے نظیر و شبیہ کی نفی ہے کیونکہ احد کا لفظ اسم نکرہ ہے اور یہ نفی کے سیاق میں استعمال ہوا ہے جس میں عام کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔

تیسری آیت مبارکہ اول تو دو طریقوں کے ساتھ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت پر مشتمل ہے۔

1. مخلوق کی پیدائش، آسمانوں، زمین اور بارش کی تخلیق جیسے براہین کو قائم کرنے کے ساتھ۔
2. انتہائی لطافت سے ان حقوق اللہ کو ذکر کرنے کے ساتھ جو ان بندوں پر واجب ہوتے ہیں اور ان سے متعلق انعامات کو شمار کروانے کے ساتھ۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اول تو ان کے لیے اپنی ربوبیت کا تذکرہ فرمایا ہے پھر انہیں بذات خود تخلیق کرنے کا ذکر فرمایا اور ساتھ ہی ان کے آباؤ اجداد کو پیدا کرنے کا ذکر کیا ہے، کیونکہ خالق ہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ پھر اس کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان پر موجود انعامات و احسانات کو شمار فرمایا ہے۔ یعنی زمین کو فرش بنانا، آسمان کو چھت بنانا، بارش اتارنا اور پھلوں کو نکالنا اس سے مطلوب بھی یہی ہے کہ انعام کرنے والا اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرامین پر ذرا نظر کریں:

جَعَلَ لَكُمْ - رِزْقًا لَّكُمْ - دیکھئے کتنے محبت بھرے اور نرمی سے لبریز الفاظ سے بات کی جا رہی ہے یہ آپ کو بتا رہے ہیں کہ اس کا آپ کے ساتھ کتنا خصوصی تعلق ہے۔

اسی آیت مبارکہ سے دوسرا بڑا مقصود اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار، اور اس کے سوا ہر معبود

کو ترک کرنے کا حکم ہے۔ آیت مبارکہ کے آخر میں یہ الفاظ **فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا** (اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر نہ کرو) اس آیت مبارکہ میں اس حقیقت کی بھی نشاندہی ہو رہی ہے کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے اقرار پر پیدا کیا گیا ہے۔ اور مزید اس آیت میں ان مشبہ کی بھی تردید موجود ہے جو اس کی مخلوق کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں قدریہ اور ان جیسے دیگر گروہوں کی بھی تردید ہو رہی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ**'' یعنی حالت یہ ہے کہ تم بخوبی جانتے بھی ہو کہ وہ تنہا ہے جس نے اکیلے ہی تمہیں پیدا کیا ہے۔ تمہیں روزی بہم پہنچائی اور جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں انہیں بھی پیدا کیا اور انہیں روزیاں بھی دی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ تمہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہارے معبود نہ تو پیدا کرتے ہیں، نہ ہی رزق دیتے ہیں اور نہ کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ ہی کسی کو کوئی نفع ہی دیتے ہیں لہٰذا ان کی عبادت کو ترک کر دو اور خالص اسی ایک کی ہی بندگی بجالاؤ۔

شرک کی اقسام

سوال نمبر: ۱۱۹ شرک کی اقسام کون کون سی ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کا شریک مقرر کرنے کا کیا معنیٰ ہے؟

جواب اس کی اقسام دو ہیں، درج ذیل سطور میں مثالوں کے ساتھ وضاحت پیش خدمت ہے۔

1. شرک اکبر: کہ کسی کو (اللہ تعالیٰ) کا شریک بنانا، اس طرح کہ اسے پکارے یا اس سے امید وابستہ کرے، یا اس سے ڈرے، یا اس کی خاطر ذبح کرے یا عبادت کی جملہ اقسام وانواع میں سے کوئی بھی چیز اس کے لیے کرے۔
2. شرک اصغر: بعض نے اس کی تعریف یوں کی ہے، ہر وہ عمل جس کے متعلق نصوص شرعیہ میں شرک کا لفظ وارد ہے لیکن وہ شرک اکبر کی حد تک نہ پہنچے جیسے کہ آدمی کا یہ کہنا ''ماشاء الله وشئت'' ''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور تو چاہے'' یا کوئی یوں کہے

''اگر اللہ تعالیٰ اور آپ نہ ہوتے تو اس طرح نہ ہوتا یا غیر اللہ کی قسم اٹھانا وغیرہ۔
اور بعض نے شرک اصغر کی تعریف بایں الفاظ کی ہے ہر وہ عمل جو شرک اکبر کی طرف لے جانے کا وسیلہ اور ذریعہ بنے وہ شرک اصغر ہے۔ واللہ اعلم۔

آیت عزت

سوال نمبر: ۱۲۰ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۱۱۱)

''اور یہ کہتا رہ کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک وساجھی رکھتا ہے نہ وہ ایسا کمزور ہے کہ اس کا کوئی حمایتی ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ۔''

سے آپ کیا معنیٰ سمجھ رہے ہیں؟

جواب یہ آیت مبارکہ مندرجہ ذیل باتوں پر مشتمل ہے:

1. اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اپنی حمد وستائش بیان کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ وہی اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ اس کی ان صفات کمال کے ساتھ تعریفیں بیان کی جائیں جن کا اس نے اپنے آپ کو حق دار ٹھہرایا۔
2. اللہ تعالیٰ کو اولاد سے پاک قرار دینا درحقیقت اس کی کمال حمد، انتہائی بے نیازی اور ہر چیز کا اس کے حضور اظہار نیاز مندی کرنے کی بنا پر ہے، کیونکہ اولاد ہونا ان مذکورہ باتوں کے منافی اور متضاد ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ (۱۰/ یونس: ۶۸)

''وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے، وہ پاک ہے وہ تو کسی کا محتاج نہیں۔''

3. اللہ تعالیٰ کو بادشاہی میں کسی شریک کی شراکت سے پاک قرار دینا جو اس کی ربوبیت، الوہیت اور صفات کمال میں یکتا ہونے کو بھی شامل ہے۔

④ بوجہ عاجزی اور کمزوری اس سے کسی کی حمایت اور ولایت کی نفی کرنا جو اسے بچانے والی، قوت دینے والی اور اسے تحفظ دینے والی ہو کیونکہ وہ تو ایسا قوی اور غالب ہے جو اپنے ہر ماسوا سے بے نیاز اور مستغنی ہے۔ البتہ وہ ولایت اور دوستی جو از راہ محبت اور بوجہ کرامت ہے تو وہ اس کے بندوں میں سے ہر اس بندے کے لیے ہے جس کے لیے وہ چاہے، آیت مذکورہ میں اس نے اس کی نفی نہیں فرمائی بلکہ یہ تو اس فرمان میں موجود ہے:

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ (۲/ البقرة:۲۵۷)

''ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔''

دوسرا یہ فرمان:

﴿ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (۱۰/ یونس:۶۲۔۶۳)

''یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور وہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔''

لہٰذا جو بھی ایمان دار اور پرہیز گار ہے وہ اللہ کا دوست ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان مومنین متقین کی ولایت اور دوستی کو ان پر فضل واحسان کرتے ہوئے باقی رکھا ہے۔

فرمان الٰہی ''وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا'' ''تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ۔''

اس کی بڑائی اور کبریائی کا معنیٰ:

1 اس کی ذات کی کبریائی اور بڑائی بیان کرنا، یہ اعتقاد رکھنا کہ وہی واجب الوجود ذات ہے اور وہ ہر موجود چیز سے غنی اور بے نیاز ہے۔

2 اس کی صفات میں بڑائی بیان کرنا یعنی اس امر کا اعتقاد رکھنا کہ اس کی صفات میں سے ہر ایک صفت ہی جلال اور کمال، عظمت اور عزت کے ساتھ ہے اور وہ ہر طرح کے عیب اور نقص سے پاک ہے۔

3 اس کے افعال میں اس کی کبریائی بیان کرنا یعنی ہمارا یہ اعتقاد رکھنا کہ اس کی بادشاہی میں جو چیز بھی چل رہی ہے وہ صرف اور صرف اس کی مشیت اور اس کے ارادے کے تحت ہی چل رہی ہے۔

4 اس کے احکام میں اس کی کبریائی بیان کرنا یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ وہی قابل اطاعت بادشاہ ہے، امر و نہی کا وہی استحقاق رکھتا ہے، عزت و ذلت اسی کے اختیار میں ہے، اس کے احکامات پر کسی کو اعتراض کرنے کی کوئی جرأت نہیں ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت سے سرفراز فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت سے دوچار کرتا ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا صرف بندوں سے ہی پوچھا جائے گا۔

5 اس کے اسماء میں اس کی کبریائی بیان کرنا اسے صرف اس کے اسماء حسنٰی کے ساتھ ہی ذکر کیا جائے، اور اسے فقط اس کی صفات مقدسہ کے ساتھ ہی موصوف ٹھہرایا جائے، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت معاذ الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیۃ العزۃ، پڑھا کرتے تھے: "وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ...... الخ،

اور بعض آثار میں ہے کہ، کسی گھر میں کسی رات کو یہ آیت عزت پڑھ لی جائے تو وہ گھر چوری اور ناگہانی آفت سے محفوظ رہتا ہے۔

صفت قدرت

سوال نمبر: ۱۲۱ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اقدس سے آپ کیا معنیٰ سمجھ رہے ہیں؟

﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (٦٤/ التغابن:١)

"آسمان و زمین کی ہر ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، اس کی سلطنت ہے اور اسی کی تعریف ہے، اور وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے۔"

جواب (ا) اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ تمام مخلوقات

جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سبھی اس کی تسبیح کر رہی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے زبان مقال (سے تسبیح کرتے ہیں) اور یہی حقیقت ہے، اور سورۃ بنی اسرائیل میں موجود آیت کریمہ کے حوالے سے یہی قول راجح ہے۔ فرمان الٰہی ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾

(۱۷/ بنی اسرائیل:٤٤)

"ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو، ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔"

اس ضمن میں دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چیز زبان حال سے اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے یعنی اس امر کا ثبوت پیش کر رہی ہے کہ وہ اس کی قدرت و حکمت کی کاری گری ہے۔ ہر چیز اپنے پیدائش اور وجود کے لحاظ سے اس کے وجود اور الوہیت میں اس کی وحدانیت اور اس کی یکتائی پر واضح ترین دلالت کر رہی ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے شاید وہ ابونواس ہے۔

تَأَمَّلْ فِيْ نَبَاتِ الْأَرْضِ وَانْظُرْ
اِلٰى آثَارَ مَا صَنَعَ الْمَلِيْكُ

"زمینی نباتات میں غور فکر کر، اور اس مالک حقیقی نے جو کچھ صنعت گری کی ہے اس کے آثار و اثرات کی طرف بھی نگاہ دوڑا۔"

عُيُوْنٌ مِّنْ لُجَيْنٍ شَاخِصَاتٌ
بِأَحْدَاقٍ هِيَ الذَّهَبُ السَّبِيْكُ

"چاندی کے چشمے سیاہی مائل سبزے میں سے نظر آ رہے ہیں جیسے کہ وہ میل کچیل سے صاف دھلا ہوا ہو۔"

عَلٰى قَصَبِ الزبرجد شَاهِدَاتٌ
بِأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ لَهٗ شَرِيْكٌ

"زبرجد کے موتیوں پر گواہی دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہے۔"

اور ایک دوسرے نے یوں کہا ہے۔

تَأَمَّلْ سُطُوْرَ الْكَائِنَاتِ فَإِنَّهَا
مِنَ الْمَلِكِ الْأَعْلىٰ إِلَيْكَ رَسَائِلُ

''کتاب کائنات کی سطروں میں غور کر بلاشبہ یہ تو اس بلند و برتر بادشاہ کی جانب سے تیرے نام خطوط ہیں۔''

وَقَدْ خُطَّ فِيْهَا لَوْ تَأَمَّلْتَ خَطَّهَا
أَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ

''اگر تو اس کی عبادات میں تھوڑا سا غور کرے تو یہی کندہ نظر آئے گا، یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔''

۳۔ مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ کی 'صفت قدرت' کا اثبات ہے اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتی صفات میں سے ہے، کوئی چیز بھی اسے عاجز نہیں کر سکتی۔

۴۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے حمد بیان کرنے کا اثبات ہو رہا ہے، ان صفات کامل کو ثابت رکھتے ہوئے حمد بیان کرنا، کائنات میں موجود اس کی بنائی ہوئی اشیاء پر اس کی بے حد تعریف کرنا، شریعت میں بتائے گئے احکامات پر اس کی حمدیں اور تعریفیں بیان کرنا اور اس کی عطا کردہ نعمتوں اور نوازشات پر حمدیں بیان کرنا جو بیروں از شمار است کا مصداق ہیں۔

۵۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمال کا ثبوت اور ہر نقص وعیب کی نفی بھی ہو رہی ہے کیونکہ تسبیح اس بات کا تقاضا کر رہی ہے۔

اولاد اور شریک سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا

سوال نمبر: ۱۲۲ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان کا مفہوم بیان کریں:

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴾ (۲۵/ الفرقان:۱۔۲)

''بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تا کہ وہ تمام لوگوں کے لیے آگاہ کرنے والا بن جائے، اسی اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا ساجھی ہے اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔''

جواب ان آیات کریمہ میں مندرجہ ذیل نکات ثابت ہو رہے ہیں:

① اللہ تعالیٰ کی بلندی پر دلیل ہے، اور علو و بلندی اس کی ذاتی صفت ہے۔

② اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ قرآن مجید اتارا ہوا ہے یہ مخلوق نہیں ہے۔

جس طرح کہ اہل سنت کا مذہب ہے۔ پھر اسے ''فرقان'' کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ حلال و حرام، ہدایت و گمراہی اور اہل سعادت اور اہل شقاوت کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں یہاں ''عبدہ'' سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اس لقب سے آپ کو تعبیر کرنا شرف و اختصاص کی وجہ سے ہے۔ اور ''لیکون'' میں ضمیر حضرت محمد ﷺ کی طرف راجع ہے، اگرچہ ایک قول کے مطابق قرآن کریم کی طرف لوٹتی ہے۔ لیکن اول مراد زیادہ اقرب ہے۔ اور ''العالمین'' سے مراد ثقلین یعنی جن و انس ہیں جبکہ ''انذار'' کا معنیٰ خوف دلاتے ہوئے اطلاع کرنا ہے، یہ انداز عام ہے جس طرح کہ اس فرمان الٰہی میں ہے:

﴿ لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ ﴾ (۱۸/ الکہف:۲)

''تا کہ اپنے پاس کی سخت سزا سے ہوشیار کر دے۔''

ایک دوسرا انداز خاص بھی ہے جیسا کہ یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا ﴾ (۷۹/ النازعات:۴۵)

''آپ تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے والے ہیں۔''

اور فرمان مبارک ''وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا'' (اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا) میں یہود کے قول ''عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ'' (۹/ التوبۃ:۳۰) ''عزیر اللہ کا بیٹا ہے'' کی تردید مقصود ہے۔ اسی طرح اس میں نصاریٰ کی بھی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں ''الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ'' (ایضا) ''مسیح اللہ کا بیٹا ہے'' اور مشرکین کی بھی تردید ہے جو ملائکہ کو ''اللہ کی بیٹیاں'' کہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی

فضولیات سے بہت ہی بلند ہے۔

اس آیت کریمہ میں مشرکین کے ''متعدد الٰہ'' کہنے والوں کی بھی تردید ہے جیسا کہ ''ثانویہ'' اور دیگر فرقے ہیں۔ عرب کے مشرکین میں سے کچھ حج کے تلبیہ میں یہ بھی کہتے تھے:

(لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكاً تَمْلِكُهُ وَمَامَلَكَ)

''میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں ہے ماسوائے اس شریک کے جس کا تو ہی مالک ہے وہ خود کسی چیز کا بھی مالک نہیں ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا موجد اور اسے بغیر نمونے کے بنانے والا ہے۔

اس میں بندوں کے افعال کی تخلیق کی دلیل ہے کہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اور اس کی تمام صفات و شامل نہیں ہیں۔

''کل شئ'' میں عمومیت اپنے اپنے سیاق و سباق اور موقع عمل کے اعتبار سے ہے جس طرح کہ اس فرمان الٰہی میں ہے:

﴿ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِأَمْرِ رَبِّهَا ﴾ (٤٦/ الاحقاف:٢٥)

''(وہ ہوا) اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی تھی۔''

اس میں ''ہر چیز'' سے مراد، جسے ہلاک و تباہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ فرمان ذیل:

﴿ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (٢٧/ النمل:٢٣)

''جسے ہر قسم کی چیز سے کچھ نہ کچھ دیا گیا ہے۔''

یعنی ملکہ سبا کو مال و دولت کی فراوانی اور بادشاہوں کا سا دبدبہ اور شان و شوکت دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر لوازمات یعنی جنگی تیاری، سامان حرب کی فراوانی، آلات قتال کی بہتات جو صرف بڑی بڑی بادشاہوں اور سلطنتوں میں ہی پایا جاتا تھا۔

''جہمیہ'' نے اس آیت سے ''خلق قرآن'' یعنی قرآن کریم کے مخلوق ہونے کا استدلال کیا ہے۔ اہل سنت نے یوں جواب دیا ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے اور یہ اس کی صفات سے ہے جو اس کے اسم کے مسمی میں اسی طرح داخل ہے جس طرح اس کا علم اور اس کی

قدرت ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ''تقدیر'' کے اثبات پر بھی دلیل موجود ہے۔

اس میں توکل کرنے کی بھی دلیل ہے کیونکہ ساری بادشاہت تو اسی اکیلے کی ہی ہے اور وہی تصرف کرنے والا اور نفع ونقصان دینے والا ہے۔

اور اس میں یہ حقیقت بھی بیان ہوئی ہے کہ بندے مطلق طور پر ''بادشاہی'' کے مالک نہیں بنتے بلکہ صرف تصرف کے ہی مالک ہوتے ہیں۔

اور اس میں بلاعلم فتویٰ دینے کی بھی حرمت (حرام ہونا) ہے کیونکہ اس کی ربوبیت اور اس کا ملک بغیر علم کے فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے میں مانع ہے۔ اس آیت مبارکہ میں ''صفت علم'' کا بھی اثبات ہے، مزید اس میں ''دہریہ'' کی بھی تردید ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ صرف اور صرف ہماری دنیاوی زندگی ہی ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز مخلوق اور وہ ہر چیز کا خالق ہے، اس کا رب، اس کا مالک، اور ہر چیز کا الٰہ ہے اور ہر چیز اس کے قہر کے نیچے اور اس کی تسخیر اور تقدیر میں ہے۔ جس کا ملک بلند ہو اس کے متعلق یہ خیال کیسے آ سکتا ہے کہ اس کا بیٹا ہو اور کوئی اس کی بادشاہت میں شریک ہو؟۔ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (۶/ الانعام:۱۰۱)

''وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اللہ تعالیٰ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بیوی تو ہے نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا اولاد اور ہمسر ہونے سے پاک ہونا

سوال نمبر: ۱۲۳ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾ (۲۳/ المومنون:۹۱)

''اللہ نے ہی تو کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے کہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لیے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر بلند ہونا چاہتا، اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں وہ غائب حاضر کا جاننے والا ہے۔ اور جو شرک یہ کرتے ہیں اس سے بالاتر ہے۔''

جواب یہ آیات مبارکہ مندرجہ ذیل مسائل پر دلالت کرتی ہے۔

① اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے۔

② وہ اپنے ساتھ کسی دوسرے معبود کے وجود سے بھی پاک ہے۔

③ رسولوں کے مخالفین جو اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں وہ ان باتوں سے بھی پاک ہے۔

④ توحید ربوبیت کا بھی ثبوت ہے اور یہ کہ پوری کائنات میں اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی خبر دی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے تو اس کی دلیل قاطع، حجت باہر (غالب دلیل) اور دلیل عقلی سے وضاحت بھی فرما دی ہے۔ یوں فرمایا: اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرے معبود ہوتے جس طرح مشرکین کہتے ہیں تو ان کی بھی کوئی مخلوق ہوتی۔ ان کی بھی کوئی عمل داری ہوتی، تو اس صورت میں ہر ایک دوسرے کی شراکت کو ناپسند کرتا پھر لازمی ہے کہ ان سے ہی ایک دوسرے پر غلبہ پاتا اور الوہیت میں یکتا بن جاتا اور دوسرے کو قطعاً کوئی اہمیت نہ دیتا یا پھر اگر وہ اس غلبے پر قدرت نہ پاتا تو لازماً اپنی پیدا کردہ مخلوق کو الگ کر لیتا اور اسے الگ مقام میں رکھتا جس طرح کہ سلاطینِ دنیا ایک دوسرے سے الگ ہو کر ایسا کر لیتے ہیں۔ یا پھر ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر قہر و غلبہ پانے میں قدرت نہ پاتا (پھر دونوں کمزور ہوتے) یعنی مندرجہ ذیل تین باتوں میں سے ایک تو لازماً ہوتی:

① یا تو ہر معبود اپنی مخلوق اور اپنی سلطنت کو الگ کر لیتا ہے۔

② یا ان میں سے ایک دوسرے پر غلبہ پالیتا ہے۔

③ یا پھر تمام مخلوقات ایک کی زیر نگرانی ہوں وہ ایک ہی سبھی میں تصرف کرنے والا ہو اور باقی کوئی اس کی ذات میں بالکل تصرف نہ کر سکے وہ ان کو حاکم ماننے سے بالاتر ہو جبکہ باقی اس کے حکموں کے سامنے بالاتر نہ ہوں تو اس طرح فقط ایک ہی معبود ہوگا اور باقی سبھی اس ایک کے بندے کہلائیں۔ عالم بالا اور عالم زیریں کا مکمل انتظام اور پھر ایک کا دوسرے سے مربوط ہونا، ایک محکم اور پائیدار نظام کے تحت ساری کائنات کے کل پرزوں کا چلنا جس میں اختلاف اور فساد نام کی کوئی چیز نہ ہو یہ سب کچھ اس حقیقت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس پوری کائنات کا صرف ایک ہی مدبر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جس طرح بالاتر ہونے کی دلیل ہی اس حقیقت کی غماز ہے کہ پوری کائنات کا خالق بھی صرف وہی ہے اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، بالکل یہی دلیل ہی تمام افعال میں اور تمام موجودات میں کافی ہے کہ وہ یکتا اور تنہا ہے۔ مذکورہ تمام باتیں اس حقیقت کی بھی نشاندہی کر رہی ہیں کہ کوئی دوسرا اعبادت والوہیت کا بھی حق دار نہیں ہے۔ جس طرح اس پورے عالم کے دو خالق، دو رب دونوں ہم پلہ اور مساوی ہونا محال اور ناممکن ہے بالکل اسی طرح پورے عالم میں دو الٰہ دو معبود ہونا بھی محال اور ناممکن ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے لیے ہر نقص وعیب سے مبرا اور پاک ہونا بیان فرمایا ہے اور ان باتوں سے بھی پاک ہونے کو ذکر فرمایا ہے جو رسل وانبیاء کے مخالفین اس کی بابت بیان کرتے ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ "عالم الغیب" میں وہ یہ خبر دے رہا ہے اور وہ سب سے بڑھ کر سچا اور راست گو ہے کہ وہ بندوں سے غائب ہر چیز کو بھی جانتا ہے اور ہر اس چیز کو بھی جسے وہ مشاہدہ کر رہے ہیں۔

غیب کی دو قسمیں، غیب مطلق اور غیب مقید۔

① غیب مطلق تو یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جو مخلوقات سے غیب اور پوشیدہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (۲۷/ النمل:٦٥)

''کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے، زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔''

اور یوں بھی اعلان فرمایا ہے:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا﴾ (۷۲/ الجن:۲٦)

''وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔''

② دوسری قسم غیب مقید کی ہے اس سے مراد وہ غیب ہے جسے مخلوقات میں سے بعض جن و انس جانتے ہیں۔ ایسی بات اس آدمی کے لیے تو غیب ہوگی جس سے مخفی ہے اور جس آدمی کے سامنے ہے اس کے لیے غیب نہیں ہوگی تو اس طرح غیب مقید ہوگا۔

فرمان باری تعالیٰ ''فتعالی'' یعنی پاک، مقدس اور بلند و بالا ہے ان تمام باتوں سے جو اس کی جلالت و عظمت کے شایان شان نہیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے علو مطلق کی تینوں اقسام ثابت ہیں۔

① علو القدر (قدر و منزلت کی بلندی)

② علو القهر (غلبہ کی پابندی)

③ علو الذات (ذات کی بلندی)

اس آیت مبارکہ میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا رد ہے۔ مزید اس میں ''قدریہ'' کی بھی تردید ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی ''صفت علم'' کا اثبات ہے۔ وہ سابقہ، موجودہ اور آیندہ تمام معلومات کو جانتا ہے، اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات کریمہ اور اپنی صفات و نعوت مقدسہ اور اپنے اوصاف عظیمہ کو بھی جانتا ہے۔ تمام کی تمام واجبات ہیں جو اپنے وجود میں اس سے الگ نہیں ہیں۔ اور وہ تمام ممتنعات کو بھی جانتا ہے جو کسی طور بھی اس میں نہیں آ سکتیں۔ اگر ان میں سے کوئی ناممکن چیز پائی جائے تو اس پر کیا نتیجہ مرتب ہوگا وہ اس

سے بھی پوری طرح آگاہ اور باخبر ہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیت مبارکہ میں ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (۱۱/ الانبیاء:۲۲)

''اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم برہم ہوجاتے۔''

اور دوسرا فرمان گرامی یوں بھی ہے:

﴿ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴾ (٦/ الانعام:۲۸)

''اور اگر یہ لوگ پھر واپس بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا تھا۔''

اور یہ فرمان:

﴿ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ﴾ (٦/ الانعام:۱۱۱)

''اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لا کر جمع کر دیتے تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔''

یہ فرمان اقدس:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ (۱۰/ یونس:۹٦)

''یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔''

ان کے علاوہ دوسری آیات بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان کرنا منع ہے

سوال نمبر: ۱۲۴ درج ذیل آیات بینات سے آپ کیا مفہوم سمجھ رہے ہیں؟

① ﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

(۱۶/ النحل:۷۴)

''پس اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں مت بناؤ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

② ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (۷/ الاعراف:۳۳)

''آپ فرمایئے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں۔ اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات کہو جس کو تم جانتے نہیں ہو۔''

جواب اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے متعلق قیاس آرائی کرنے کا حکم (سوال نمبر ۲۷ کے تحت) گزر چکا ہے۔ یہ آیت مبارکہ اس نہی کو شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ نہ دی جائے کیونکہ اس کا کوئی مثیل نہیں ہے۔ اس کی ذات، اس کے اسماء وصفات اور افعال میں اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے۔

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے تو بہترین اور اعلیٰ مثال ہے آسمانوں میں اور زمین میں بھی اور وہی عزت غلبے والا اور حکمت والا ہے۔'' (۳۰/ الروم:۲۷)

جبکہ دوسری آیت مبارکہ میں ایسی محرمات کا بیان ہے جن کی حرمت پر جمیع رسل، تمام شرائع اور سب کتابوں کا اتفاق ہے یہ محرمات ہر کسی کے لیے شرعی طور پر حرام ہیں۔

فواحش، فاحشہ کی جمع ہے اور یہ انتہائی درجے کی برائی کا عمل ہے اور یہ ویسا ہی ہے جیسا کسی بے گناہ کا قتل، زنا، لواطت، جادو، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا، ریا کاری، خود پسندی، حسد اور تکبر وغیرہ۔

رہا معاملہ گناہ (اثم) کا تو اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے وہ غلطیاں ہیں جو فاعل سے متعلق

ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد شراب ہے۔ اور "بغی" سے مراد لوگوں کے خون، مال اور عزت کے معاملات میں ایسی دست درازی کا نام ہے جو قصاص اور مماثلت کی جہت پر نہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ شرک کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا شریک نہ بناؤ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت و برہان نازل ہی نہیں کی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء، اپنی صفات اور اپنی شرع میں بغیر علم کے بات کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ شرک اور کفر کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے متعلق بلا علم بات کہنا ہے۔ ہر مشرک اللہ کے متعلق بلا علم باتیں کہنے والا ہے۔ اس کے برعکس معاملہ ایسا نہیں ہے (یعنی مومن و مسلمان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ علم کے ساتھ باتیں کرنے والا ہوتا ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بلا علم باتیں کرنے کے ضمن میں تعطیل اور دین الٰہی میں بدعتیں ایجاد کرنا شامل ہے۔ یہ شرک سے عام تر ہے اور شرک اس کے تحت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان محرمات کو چار مراتب میں ترتیب وار بیان فرمایا ہے۔ سب سے سہل ترین حرام کام یعنی فواحش سے ابتدا کی ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر اس سے سخت تر کام یعنی گناہ اور ظلم کو بیان کیا ہے پھر تیسرے درجے میں ان دونوں سے بڑھ کر یعنی اپنی ذات سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ شرک کو بیان فرمایا ہے، پھر چوتھے نمبر میں مذکورہ سب کاموں میں شدید حرمت والے کام یعنی اس پر بلا علم بات کرنے کو ذکر کیا ہے۔

بعض مفسرین نے اس طرح بھی کہا ہے: تمام جرائم پانچ انواع میں محصور (بند) ہیں۔

1. انساب سے متعلقہ جرائم: فواحش کے لفظ سے یہ بھی مراد ہیں۔
2. عقول سے متعلقہ جرائم: اثم (گناہ) کے لفظ سے ان کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔
3. نفوس، اموال اور اعراض (عصمتوں) سے متعلقہ جرائم: لفظ "بغی" سے ان کی جانب اشارہ ہے۔
4. ادیان سے متعلقہ جرائم، یہ دو طرح کے ہوتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی توحید میں طعن کرنا، ﴿وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ﴾ کہنے سے اس جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

بغیر علم ومعرفت کے دین الٰہی میں باتیں کرنا، فرمان الٰہی: ﴿ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ سے اسی طرف اشارہ ہے۔

جرائم کے حوالے سے یہ ''پانچ اصول'' ہیں، باقی ان کے علاوہ سب ''فروعات'' کی مانند ہیں۔ ان کو یہاں ذکر کرنا اس لیے ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے متعلق بغیر علم کے بات کرنے کا گناہ ذکر ہے اور یہ شرک سے بھی زیادہ سخت حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

شرک اکبر اور اصغر کے درمیان فرق

سوال نمبر: ۱۲۵ شرک اکبر اور شرک اصغر کی تعریفیں پہلے گزر چکی ہیں، کیا ان دونوں کے درمیان کوئی فرق بھی ہے۔؟

جواب جی ہاں ان دونوں کے درمیان کچھ فرق بھی ہے۔

① شرک اکبر کا ارتکاب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان کے پیش نظر کوئی معافی نہیں ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ ﴾

(٤/ النساء:٤٨)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔''

جبکہ شرک اصغر کا ارتکاب کرنے والے کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے یعنی چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو سزا دے دے مگر شرک اکبر کو وہ معاف نہیں کرے گا۔

② شرک اکبر اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کی وجہ سے تمام اعمال کو ضائع کرنے والا ہے۔

﴿ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ (٣٩/ الزمر:٦٥)

''اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔''

جبکہ شرک اصغر صرف اسی متعلقہ عمل کو ہی ضائع کرتا ہے۔

③ شرک اکبر انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے (جبکہ شرک اصغر ایسا نہیں کرتا)۔

④ شرک اکبر کا مرتکب ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا، جبکہ شرک اصغر دیگر

گناہوں کی طرح ہے لیکن یہ دوسرے کبائر سے زیادہ بڑا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے مرتکب کو صرف توبہ کے ساتھ ہی بخشا جائے گا۔

استواء کا بیان

سوال نمبر: ۱۲۶ استواء پر ایمان رکھنے کا کیا معنیٰ ہے اور کتاب اللہ سے اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب ایسا پکا اور پختہ اعتقاد کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مستوی ہے، اپنی ساری مخلوق سے الگ ہے اور سب سے بلند ہے، اس کا علم ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ درج ذیل آیات مبارکہ بطور دلیل موجود ہیں:

① ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۵)

''جو رحمٰن ہے، عرش پر مستوی ہے۔''

② ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ (۷/ الاعراف:۵۴)

''بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا۔''

③ ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ (۱۳/ الرعد:۲)

''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کر رکھا ہے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو پھر وہ عرش پر قرار پکڑے ہوئے ہے۔''

④ ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ (۳۲/ السجدۃ:۴)

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا۔''

⑤ ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (۵۷/ الحدید:۴)

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا۔''

⑥ ﴿الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (۲۵/ الفرقان:۵۹)

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دن میں ہی پیدا کر دیا ہے، پھر عرش پر مستوی ہوا۔''

سوال نمبر: ۱۲۷ استواء پر دلالت کرنے والی آیات مبارکہ کے معانی بیان کریں؟

جواب یہ آیات مبارکہ مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہیں:

① اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا اثبات، اس کی مخلوق کی تربیت کرنے کی دو اقسام وانواع ہیں: عام اور خاص۔

عام

جس طرح کہ سورۃ الاعراف (اور سورہ یونس) کی آیت مبارکہ میں ہے، اللہ تعالیٰ کا مخلوقات کو تخلیق کرنے کا عمل، انہیں روزی دینے اور انہیں ان کے ایسے مصالح وفوائد کی رہنمائی کرنا جس میں ان کی بقائے دنیا کے راز مضمر ہیں۔

خاص

اللہ تعالیٰ کی خاص تربیت سے مراد، اپنے انبیاء رسل اور اپنے اولیاء کی ایمان کے ساتھ تربیت کرنا، انہیں ایمان کی توفیق دینا، ان سے ہم کلام ہونا اور ان سے اپنے درمیان اور ان کے درمیان حائل ہونے والی رکاوٹوں اور زمانے کی گردشوں کو دور کرنا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہر خیر و بھلائی کی توفیق دینا اور ہر شر و برائی سے بچانا۔ انبیاء کرام کی اکثر دعاؤں میں لفظ رب میں یہی راز پنہاں نظر آتا ہے۔ ان کے تمام مطالبات اسی تربیت خاصہ کے تحت ہی داخل ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ''صفت الوہیت'' صفت تخلیق، استواء، علو اور قدرت کا

بھی اثبات ہے۔ ''عرش'' کا بھی اثبات ہے کہ وہ پیدا کیا گیا ہے اور ان فلاسفہ کی تردید بھی ہے جو مخلوقات کی ''قدامت'' کے قائل ہیں۔ ان تمام مخلوقات سے اس باری تعالیٰ کے وجود پر بھی استدلال لیا جارہا ہے کیونکہ ان تمام مخلوقات کا وجود بذات خود ممکن نہیں اور نہ ہی کسی موجد وخالق کے بغیر ان کا وجود ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴾ (۵۲/ الطور:۳۵)

''کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں، یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟''

ان آیات بینات میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کا بھی اثبات ہے کہ وہی اکیلا ہی عبادت کا حق دار ہے۔ نیز ان آیات میں افعال لازم اور متعدی، اختیار افعال کا بھی اثبات ہے۔ ان ایام کی تحدید کا بیان ہے جن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا گیا ہے۔ اور ذہنوں میں متبادر معنیٰ یعنی ذہن میں آنے والا فوری معنیٰ یہ ہے کہ وہ ایام انہی موجودہ ایام کی طرح ہوں گے۔

ان آیات میں امور و معاملات میں غور وفکر کرنے، سوچ بچار سے کام لینے اور سخت حالات میں صبر واستقامت سے کام لینے کی ترغیب بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ان تمام مخلوقات کو آن واحد میں یکبارگی اور یک لخت بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ (۱۶/ النحل:۴۰)

''ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف ہمارا یہ کہہ دینا ہوتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔''

ان آیات کریمہ میں ''جہمیہ'' کا بھی رد ہے جو ''استویٰ'' بمعنیٰ ''استیلا'' (غالب آنا) کے قائل ہیں۔

خلق وامر کا بیان

سوال نمبر: ۱۲۸ خلق اور امر کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ:

خلق سے مخلوقات پیدا ہوتی ہے۔

اور امر سے مامورات اور شرائع پیدا ہوتے ہیں۔

دراصل معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہے، دونوں کا ایک چیز ہونا ممنوع اور ناممکن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت اور اصلیت کی صراحت درج ذیل آیت کریمہ میں فرمائی ہے:

﴿ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَٰتٍ بِأَمْرِهِۦٓ ﴾ (۷/ الاعراف:٥٤)

''سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔''

یہ اللہ تعالیٰ نے یوں خبر دی ہے کہ اس نے انہیں پیدا کیا ہے پھر انہیں اپنے امر کے تابع اور مسخر بنایا ہے۔

استواء کے متعلق اسلاف کی چار تعبیریں

سوال نمبر: ۱۲۹ استواء سے متعلق سلف صالحین کی چار تفسیریں بیان کریں۔

جواب وہ یہ ہیں:

استقر اس نے قرار پکڑا

علا وہ بلند ہوا

صعد وہ چڑھ گیا

ارتفع وہ اونچا ہوا

ان تمام الفاظ کا ایک ہی معنیٰ مفہوم ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے یوں ان تمام کو جمع فرمادیا ہے:

وَلَهُمْ عِبَارَاتٌ عَلَيْهَا أَرْبَعٌ
قَدْ حُصِّلَتْ لِلْفَارِسِ الطَّعَّانِ

''ان کی (اسلاف کی) اس لفظ (استواء) کے متعلق چار تعبیریں اور تفسیریں ہیں

جوایک زبردست مرد میدان کو حاصل ہوئی ہیں۔"

وَهِيَ اُسْتَقَرَّ وَقَدْ عَلَا وَقَدْ ارْ
تَفَعَ الَّذِيْ مَا فِيْهِ مِنْ نُكْرَانٖ

"اور وہ "استقر" اور "علاء" اور "ارتفع" ہیں جن میں کسی طرح کا کوئی انکار نہیں ہے۔

وَكَذَاكَ قَدْ صَعِدَ الَّذِيْ هُوَ رَابِعٌ
وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ صَاحِبُ الشَّيْبَانِ

"اسی طرح "صعود" ہے جو کہ چوتھی تعبیر وتفسیر ہے، اور یہ ابوعبیدہ صاحب شیبان ہے۔"

يَخْتَارُ هٰذَا الْقَوْلَ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ
اَدْرٰی مِنَ الْجَهْمِي بِالْقُرْآنِ

"جو اپنی تفسیر میں اس قول کو پسند کرتا ہے جو ایک جہمی کی نسبت قرآن کریم کو زیادہ جاننے والا ہے۔"

وَالْاَشْعَرِيُّ يَقُوْلُ تَفْسِيْرُ اِسْتَوٰی
بِحَقِيْقَةِ اِسْتَوْلٰی عَلَی الْاَكْوَانِ

"اور اشعری کہتا ہے "استوی" کی تفسیر درحقیقت کائنات پر "استویٰ" غلبہ پانے کی حقیقت کا نام ہے۔"

لغت عرب میں استواء کی انواع واقسام

سوال نمبر: ۱۳۰ وہ عرب جن کی زبان ولغت میں قرآن کریم اترا ہے ان کی لغت میں استواء کی کتنی انواع واقسام ہیں؟۔

جواب مطلق: وہ جسے کسی حرف کے ساتھ مقید نہ کیا گیا ہو جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰی ﴾ (۲۸/ القصص:۱٤)

"اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے۔"

یہاں استویٰ کا معنی ہے مکمل اور پورے بن گئے۔

مقید کی تین درج ذیل اقسام ہیں۔

جو حرف الٰی سے مقید بیان کیا گیا ہو جیسا کہ فرمان الٰہی:

﴿ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ ﴾ (۲/ البقرة:۲۹)

"پھر آسمان کی طرف بلند ہوا۔"

اس کا معنیٰ اجماع سلف کے مطابق علو وارتفاع ہے۔

جو حرف علیٰ کے ساتھ مقید کیا گیا ہو جیسا کہ یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ﴾ (۴۳/ الزخرف:۱۳)

"تا کہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو۔"

اور یہ فرمان الٰہی:

﴿ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ ﴾ (۱۱/ هود:۴۴)

"اور کشتی (نوح علیہ السلام کی) جودی نامی پہاڑ پر جا لگی۔"

اور یہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ ﴾ (۴۸/ الفتح:۲۹)

"پھر اپنی جڑ پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔"

ان مقامات میں اہل لغت کے اجماع کے ساتھ اس کا معنیٰ علو، ارتفاع اور اعتدال کا ہے۔ جو واؤ بمعنیٰ مع کے ساتھ استعمال کیا جائے (اس کی مثال) جیسے عربوں کا کہنا:

اِسْتَوَى الْمَاءُ وَالْخَشَبَةَ

"پانی لکڑی کے ساتھ برابر ہو گیا۔"

یہاں پر اس کا معنیٰ برابر ہونے کا ہے۔

لفظ استواء کے مذکور سب معانی معروف ہیں۔

استواء کی استیلاء سے تاویل کرنے والوں کی کئی ایک وجوہ سے تردید

سوال نمبر: ۱۳۱ جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی، اس پر غلبہ پانے سے تاویل اور تفسیر کی ہے اس کی کیا دلیل ہے؟ اور وہ کون سا پہلا آدمی ہے جو اس بدعت کے حوالے سے مشہور ہوا ہے؟ اس کی تردید کس طرح کی جائے گی؟ خوب وضاحت فرمائیں۔

جواب وہ پہلے پہلے لوگ جو اس بدعت کے حوالے سے معروف ہوئے ہیں۔ بعض جہمیہ اور معتزلہ ہیں۔

ان کی دلیل کسی شاعر کا یہ شعر ہے

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ
مِنْ غَیْرِ سَیْفٍ أَوْ دَمٍ مُّهْرَاقِ

''بشر عراق پر بغیر تلوار استعمال کیے کسی کا خون بہائے بغیر ہی قابض اور غالب ہو گیا ہے۔''

اس کی تردید کئی ایک وجوہ سے ممکن ہے:

1. استواء عرش کے ساتھ خاص ہے جبکہ استیلاء تمام مخلوقات کے لیے عام ہے۔
2. اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آسمانوں و زمین کو چھ ایام میں پیدا کرنے کی خبر دی ہے اس کے بعد عرش پر مستوی ہونے کی خبر دی ہے، اور یہ وضاحت کی ہے کہ ان دونوں کی تخلیق سے قبل بھی اس کا عرش پانی پر تھا اور استواء ان تمام مخلوقات کی پیدائش سے متاخر ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو آسمانوں کی تخلیق سے قبل اور بعد دونوں حالتوں میں عرش پر مستوی اور غالب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ استواء عرش کے ساتھ خاص ہے جبکہ استیلاء عرش اور دیگر مخلوقات کے لیے عام ہے۔

3. اس لفظ کا معنیٰ مشہور و معروف ہے جیسا کہ بعض اسلاف نے کہا ہے اگر آیت مبارکہ میں استواء کا معنیٰ معلوم نہ ہوتا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس طرح دلیل اور حجت پیش نہ کرتے۔ ''اور کیف مجہول ہے'' کیونکہ کیفیت کے علم کی نفی اصل علم کی نفی تو نہیں کر رہی ہے۔

4. استواء کی استیلاء کے ساتھ تفسیر بیان کرنے میں یہ معنیٰ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین اور دیگر اشیاء پر بھی مستوی ہے۔

5. کتاب اللہ میں کسی ایسے قول کا ایجاد کرنا یا کسی نئی بات کو کتاب اللہ کی تفسیر میں بیان کرنا جو کہ سلف صالحین اور ائمہ کرام کے اقوال کے برعکس ہو تو اس سے دو امور میں سے ایک تو ضرور لازم آتا ہے۔

یا یہ قول ہی غلط ہے۔

یا سلف صالحین کے اقوال جو اس کے برعکس ہیں وہ غلط ہیں۔ کوئی بھی صاحب عقل اس میں شک نہیں کر سکتا کہ اس کی بات ہی سلف صالحین کی بات کی نسبت غلط کہلانے کی زیادہ حق دار ہے۔

6. قرآن وسنت میں یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے جہاں بھی یہ لفظ وارد ہوا ہے استواء ہی ہوا ہے۔ استیلاء کا لفظ بالکل نہیں ہے۔ اگر اس کا معنیٰ ''استیلاء'' ہوتا تو اکثر مقامات میں اسی طرح استعمال ہوتا، اور ایک دو جگہوں میں استواء کا لفظ آتا پھر اسے استولیٰ کے معنیٰ پر محمول کر لیتے کیونکہ وہ متعارف ہوتا۔

جب یہ لفظ تمام مقامات میں صرف ایک معنیٰ ہی میں استعمال ہوا تو اسے تمام مقامات میں اسی معنیٰ پر ہی محمول کرنا ضروری ہوگا اس کو کسی دوسرے معانی میں استعمال کرنے سے نہایت درجہ فساد ہوتا ہے اور اس طرح کے بیان سے ایسا مقصود لینا پڑتا ہے، جو مقصود بالذات ہے ہی نہیں۔

امام ابن قیم نے اپنی کتاب مختصر صواعق میں بیالیس کے قریب وجوہات ذکر کی ہیں جن میں سے چند یہ تھیں۔

عرش اور کرسی کا بیان

سوال نمبر: ۱۳۲ عرش اور کرسی کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے اپنے قول پر دلیل پیش کریں؟

جواب میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ یہ دونوں ہی برحق ہیں جس طرح کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

① ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ (۸۵/ البروج:۱۵)

''عرش کا مالک عظمت والا ہے۔''

② ﴿رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ﴾ (۴۰/ المومن:۱۵)

''بلند درجوں والا عرش کا مالک۔''

③ ﴿اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ (۲۷/ النمل:۲۶)

''اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ عظمت والے عرش کا مالک ہے۔''

④ ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۵۵)

''اس کی کرسی کی وسعت نے زمین وآسمان کو گھیر رکھا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کرسی دونوں قدموں کی جگہ ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی بھی صفت کے بارے میں سوال کرنے والے کو معقول ومضبوط جواب

سوال نمبر: ۱۳۳ جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی بھی صفت کی کیفیت کے متعلق سوال کرے اس کا معقول اور مضبوط جواب کیا ہوگا؟

جواب اس کا جواب وہی ہوگا جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آدمی کو دیا تھا جس نے آپ سے استواء کی کیفیت کے متعلق سوال کیا تھا۔ اب اگر کوئی استواء کے علاوہ

صفات الٰہی میں سے کسی بھی اور صفت کے متعلق سوال کرے تو اس کو بھی یہی دیا جائے گا مثلاً اگر کوئی یوں کہے ''اللہ تعالیٰ کا سننا کیسا ہے؟'' تو اسے یوں جواب دیا جائے گا۔

''سننا تو معلوم ہے جبکہ کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کی بابت سوال کرنا بدعت ہے۔''

اس طرح ہی باقی صفات کے جواب میں اس آدمی کو کہا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے، راضی ہونے، پسند کرنے، کراہت کرنے، غصے ہونے، علم رکھنے، محبت، قدرت، قوت، ہاتھ، نفس اور باقی صفات کی کیفیت کے متعلق سوال کرے گا۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر بلند ہونا

سوال نمبر: ۱۳۴ آپ کے ذہن میں کتاب وسنت کے وہ دلائل جو اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق پر بلند ہونے کے متعلق ہیں چند ایک بیان کریں۔

جواب فرمان باری تعالیٰ ہے:

① ﴿ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَىٰٓ إِنِّى مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىَّ ﴾ (۳/ آل عمران:۵۵)

''جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں۔''

② ﴿ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ﴾ (۲/ النساء:۱۵۸)

''بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔''

③ ﴿ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ﴾
(۳۵/ فاطر:۱۰)

''تمام تر ستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل بھی جسے وہ بلند کرتا ہے۔''

④ ﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَٰهَٰمَٰنُ ابْنِ لِى صَرْحًا لَّعَلِّىٓ أَبْلُغُ الْأَسْبَٰبَ ۝ أَسْبَٰبَ السَّمَٰوَٰتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰٓ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّى لَأَظُنُّهُۥ كَٰذِبًا ﴾ (۴۰/ المومن:۳۶۔۳۷)

”فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بالا خانہ بنا کیا عجب کہ میں آسمان کے دروازوں تک پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں، مجھ کو تو کامل یقین ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔“

⑤ ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ (٦٧/ الملك:١٦)

”کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا۔“

⑥ ﴿اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ (٦٧/ الملك:١٧)

”یا کیا تمہیں اس بات کا کھٹکا نہیں کہ آسمانوں والا۔“

⑦ ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ (٦/ الانعام:١٨)

”اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے۔“

⑧ ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ﴾ (١٦/ النحل:٥٠)

”اور (فرشتے) اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے کپکپاتے رہتے ہیں۔“

⑨ ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ﴾ (٧٠/ المعارج:٤)

”جس کی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں۔“

⑩ ﴿تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ (٤١/ حم السجدة:٢)

”اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم والے کی طرف سے۔“

⑪ ﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ (١٦/ النحل:١٠٢)

”کہہ دیجئے اسے روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ بتدریج نازل کیا ہے۔“

⑫ ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (٢/ البقرة:٢٥٥)

”وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔“

رہے حدیث وسنت سے دلائل تو نبی کریم ﷺ نے مریض کو دم کرتے ہوئے فرمایا:

① ((رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ اَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ اِجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ

اِغْفِرْلَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَآءً مِّنْ شِفَائِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ فَيَبْرَأُ)) [1]

''ہمارا رب وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے، تیرا نام بڑا پاکیزہ ہے، تیرا حکم آسمان اور زمین میں ہے، جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے اس طرح اپنی رحمت زمین میں بھی فرما دے، ہمارے گناہ اور ہماری خطائیں معاف فرما دے، تو پاک لوگوں کا رب ہے، اپنی رحمت میں سے کچھ رحمت نازل فرما، اپنی شفاء میں سے کچھ شفا اس پر بھی اتار دے تاکہ یہ تندرست اور صحت یاب ہو جائے۔''

② نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک:

((أَلَا تَأْتَمِنُوْنِيْ وَأَنَا أَمِيْنُ مَنْ فِي السَّمَآءِ)) [2]

''کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں تو اس ذات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔''

③ اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان گرامی:

((وَالْعَرْشُ فَوْقَ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ فَوْقَ عَرْشِهٖ وَهُوَ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ)) [3]

''اور عرش اس سے اوپر ہے اور اللہ اپنے عرش کے اوپر ہے اور وہ تمہاری سب حالتوں کو جانتا ہے۔''

④ رسول اکرم ﷺ کا لونڈی سے یہ دریافت کرنا:

((اَيْنَ اللّٰهُ؟)) قَالَتْ: فِي السَّمَآءِ. قَالَ: ((مَنْ أَنَا؟)) قَالَتْ: أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. قَالَ: ((اِعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ)) [4]

''اللہ کہاں ہے؟'' اس نے جواب دیا: آسمان میں ہے، آپ نے پوچھا: ''میں کون ہوں؟'' وہ بولی: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تب آپ نے فرمایا: ''اسے آزاد کر دو بلاشبہ یہ ایمان والی ہے۔''

---

[1] ابو داود، کتاب الطب، باب کیف الرقی: ۳۸۹۲۔ [2] رواہ البخاری وغیرہ۔

[3] رواہ ابوداود والترمذی وغیرھما۔

[4] سنن نسائی، کتاب السہو، کتاب الکلام فی الصلاۃ: ۱۲۱۸۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ''بلندی'' پر دلالت کرتے ہیں۔

سوال نمبر: ۱۳۵ اللہ تعالیٰ کے ''علو'' (بلند ہونے) پر دلالت کرنے والی آیات کے معانی سے جو آپ سمجھ رہے ہیں وہ ذکر کریں۔

جواب: یہ آیات مبارکہ مندرجہ ذیل امور و مسائل پر مشتمل ہیں:

1. اللہ تعالیٰ کی ''صفت کلام'' اور ''صفت علو ارتفاع'' کا اثبات۔ اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق سے اوپر ان سب سے الگ ہے۔
2. ان میں یہود کا بھی رد ہے جنہوں نے ''المسیح ابن مریم علیہما السلام'' کو ولد الزنا قرار دیا تھا۔ اس میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اوپر اٹھا لیا تھا۔
3. ان آیات میں نصاریٰ کی بھی تردید ہو رہی ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو و مبالغہ کیا تھا اور انہیں ان کے مقام سے اٹھا کر مقام ربوبیت تک پہنچا دیا تھا۔
4. اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جن کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا معنیٰ صرف نفسی معنیٰ ہے۔
5. عمل صالح ''پاکیزہ بات'' کو بلند بناتا ہے۔
6. چوتھی آیات مبارکہ میں یہ دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں فرمایا کرتے تھے کہ اس کا الٰہ آسمان میں ہے، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق سے اوپر اور بالاتر ہونے کی قوی دلیل موجود ہے۔

اور یہ فرمان الٰہی: ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ مفسرین کے نزدیک اس آیت مبارکہ کے دو معانی میں سے ایک معنیٰ لازماً کرنا ہوگا۔

"فی" "عَلٰی" کے معنیٰ میں ہے۔

یا پھر "السماء" سے بلند مراد ہے۔

مفسرین کا ان معانی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے معنیٰ میں اسے محمول کرنا جائز نہیں ہوگا۔

7. اللہ تعالیٰ کے اختیاری افعال کا اثبات ہے خواہ وہ افعال لازم ہوں یا متعدی ہوں،

افعال لازم مثلاً استواء، آنا، اترنا، اور افعال متعدی مثلاً پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، موت دینا۔

⑧ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے اور غیر مخلوق ہے۔

⑨ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اثبات ہے۔

احادیث مبارکہ سے مندرجہ ذیل احکام سامنے آرہے ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کے بلند ہونے کا اثبات ہے۔

حدیث مبارکہ میں مذکور بات کے متعلق بھی وہی دونوں باتیں کہی جائیں گی جو آیات کے حوالے سے قبل ازیں ذکر کی گئی ہیں۔

② حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی ربوبیت، الوہیت اور اس کے مقدس نام کا توسل پیش کرنے کا اثبات ہو رہا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کے امر شرعی اور امر قوی کے عموم کا اثبات ہو رہا ہے۔

④ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی رحمت اور اس کی مغفرت برائے گناہ اور خطاؤں کو بطور وسیلہ پیش کرنے کا اثبات ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے بندوں میں سے نیک بندوں کے لیے خصوصی ربوبیت کو بطور وسیلہ پیش کرنے کا اثبات ہو رہا ہے تا کہ وہ اپنی رحمت میں سے کچھ رحمت نازل فرمادے۔ اور یہ رحمت جسے نازل کروانا مقصود ہے یہ رحمت مخلوق ہے، اس کے متعلق بحث قبل ازیں سوال نمبر ۱۰۲ کے جواب میں گزر چکی ہے۔

دوسری حدیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ کے منافقین کی اذیتوں پر صبر و تحمل کا دامن تھامے رکھنے کا بیان ہے۔ اور یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوقات پر بلند ہونا ثابت ہے۔ اور پھر حدیث مبارکہ میں مذکور مضمون کے متعلق وہی دونوں باتیں کہی جاتی ہیں جو قبل ازیں مذکور ہیں۔

تیسری حدیث مبارکہ میں عرش کا اثبات ہے اور یہ کہ وہ مخلوق ہے، پھر اس میں اللہ

تعالیٰ کی ''صفت بلندی'' کا بھی اثبات ہے۔اس میں استواء کی تفسیر بلندی کے ساتھ کی گئی ہے۔جس طرح کہ سلف صالحین کا مسلک ہے۔

چوتھی حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی بابت سوال کرنا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ کا بھی جواز موجود ہے،اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق پر بلند ہونے کی بھی دلیل موجود ہے،اور اس حدیث مبارکہ میں اس آدمی کے صاحب ایمان ہونے کی بھی دلیل موجود ہے جو اس امر کی شہادت دیتا ہے،مزید اس میں اس حقیقت کی دلیل بھی موجود ہے کہ بلندی کی جانب اشارہ کرنا جائز ہے۔اور یہ بھی حقیقت منکشف ہو رہی ہے کہ تمام بندے اس فطرت پر پیدا کیے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے اوپر اور بلند ہے۔امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے:

وَلَهُ الْعُلُوُّ مِنَ الْوُجُوْهِ جَمِيعِهَا
ذَاتًا وَّ قَدْرًا مَعَ عُلُوِّ الشَّانِ

''اس کے لیے ہر لحاظ سے علو(بلندی) ہے ذاتی اعتبار سے،قدرت کے اعتبار سے اور اس کے علاوہ شان وعظمت کی بلندی کے اعتبار سے۔''

الشیخ تقی الدین نے یوں فرمایا ہے:

''ایسی تمام کلام جس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے یہ سب حقیقت پر مبنی سچا کلام ہے۔اس میں کسی طرح کی تحریف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔لیکن اس میں باطل اور جھوٹے وہم وگمان کو رد کیا جائے گا مثلاً یہ خیال کرنا کہ آسمان اسے اٹھائے ہوئے ہے یا اس پر سایہ فگن ہے۔یہ تمام اقوال اہل علم اور اہل ایمان کے اجماع واتفاق سے باطل ہے،کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کرسی تو تمام آسمانوں اور زمینوں سے وسیع ہے بلکہ وہی وہ ذات اقدس ہے جو آسمانوں اور زمینوں کو تھامے ہوئے ہے کہیں یہ زائل نہ ہو جائیں۔وہ تو آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہیں وہ زمین پر ہی نہ گر جائے مگر جب وہ خود اسے حکم دے گا۔''

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ﴾ (۳۰/ الروم:۲۵)

''اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آسمان وزمین اس کی حکم سے قائم ہیں۔''

معیت کا بیان

سوال نمبر: ۱۳۶ معیت کی کتنی اقسام ہیں؟ اور ان میں سے ہر ایک قسم کی دلیل کیا ہے؟ اور قرب الٰہی کے دلائل بھی ذکر کریں۔

جواب معیت دو اقسام میں منقسم ہے: عام اور خاص یا عمومی اور خصوصی اور یہ دونوں ہی باقی صفات کی مانند ہیں جن کی کیفیت کو اللہ عزوجل کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

1 عام معیت یا عمومی معیت کے قرآن کریم سے دلائل:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ﴾ (۵۷/ الحدید:۴)

''اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہیں۔''

۲۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک:

﴿مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (۵۸/ المجادلة:۷)

''تین آدمیوں کا مشورہ نہیں ہوتا مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کا مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کا اور نہ زیادہ کا مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں بھی ہوں، پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔''

2 خاص معیت یا خصوصی معیت کے دلائل:

① فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (۹/ التوبة:۴۰)

''کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

② ﴿إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۴۶)

"میں اب تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا دیکھتا رہوں گا۔"

③ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۵۳)

"اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔"

④ ﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ (۲۶/ الشعراء:۶۲)

"یقین مانو میرا رب میرے ساتھ ہے جو ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔"

ان دونوں معیتوں کے سنت مبارکہ سے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

① نبی اکرم ﷺ کا فرمان:

((أَفْضَلُ الْاِیْمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ مَعَكَ حَیْثُمَا كُنْتَ)) [1]

"افضل ایمان یہ ہے کہ تو جان لے کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ تیرے ساتھ ہے۔"

② ((اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَی الصَّلَاةِ فَلَا یَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ وَلَا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ یَّسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ)) [2]

"جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہو تو، اپنے چہرے کے بالمقابل مت تھوکے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے بالمقابل ہے اور نہ ہی اپنے دائیں طرف تھوکے بلکہ اپنے بائیں طرف یا اپنے قدم کے نیچے تھوک لے۔"

③ نبی اکرم ﷺ کا یہ پڑھتے رہنا:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَیْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَیْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَكَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ)) [3]

---

[1] مجمع الزوائد، ۶۰۔ [2] مسلم، کتاب الزهد والرقائق، ۳۰۱۴۔

[3] مسلم، کتاب الذکر والدعاء ما یقول عند النوم: ۲۷۱۳۔

”اے اللہ ساتوں آسمان کے رب اور عرش عظیم کے رب! اے ہمارے رب اور ہر ایک چیز کے رب! اے دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے! اے تورات، انجیل اور قرآن کو اتارنے والے! میں ہر شے کے شر سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔ تو ہی اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے، اے اللہ تو ہی اول ہے کہ تجھ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی، اور تو ہی آخر ہے کہ تیرے بعد بھی کوئی چیز نہ ہوگی اور تو ہی ظاہر و غالب ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو ہی باطن ہے کہ تجھ سے پوشیدہ تر بھی کوئی چیز نہیں ہے، مجھ سے قرض اتار دے اور مجھے محتاجی سے نکال کر غنی بنا دے۔“

④ نبی اکرم ﷺ کا اپنے صحابہ کرام کو یوں فرمانا جب انہوں نے ذکر الٰہی میں اپنی آوازوں کو بلند کیا تھا:

((اَیُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ فَاِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّمَا تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا قَرِیْبًا اِنَّ الَّذِیْ تَدْعُوْنَهٗ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ)) [1]

”اے لوگو! اپنی جانوں پر آسانی کرو۔ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم تو سمیع قریب (خوب سننے والے اور انتہائی قریب) کو پکار رہے ہو۔ بلاشبہ تم جسے پکار رہے ہو وہ تم میں ہر ایک کے اپنی سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔“

⑤ ایک حدیث مبارکہ میں یوں بھی آیا ہے:

((اَقْرَبُ مَا یَكُوْنَ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ)) [2]

”بندہ جس حال میں اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے وہ سجدہ کرنے والی حالت ہے۔“

⑥ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے:

((مَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا

---

[1] مسند احمد، حدیث أول مسند الکوفیین: ١٩١٠٢۔

[2] مسلم، کتاب الصلاة، باب ما یقال فی الرکوع والسجود: ٤٨٢۔

تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا)) [1]

”جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا میں ایک بازو (کا فاصلہ) اس کے قریب ہو جاؤں گا اور جو میرے ہاں ایک بازو برابر قریب ہوگا میں دونوں بازوؤں کے پھیلاؤ برابر اس کے قریب ہو جاؤں گا۔“

سوال نمبر: ۱۳۷ مذکورہ آیات واحادیث اللہ تعالیٰ کی معیت اور قرب پر کیسے دلیل ہیں وضاحت کریں؟

جواب ان سے مندرجہ ذیل باتیں اخذ کی جاسکتی ہیں:

1. اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق پر بلند ہونے کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ کی ”صفت تخلیق“ اور ”صفت قدرت“ کے اثبات پر دلیل ہے، ان تمام مخلوقات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لازمی اختیار افعال کا اثبات ہو رہا ہے، معاملات میں سوچ بچار کرنے اور آڑے وقتوں میں صبر کا دامن تھامے رکھنے میں مخلوق کی رہنمائی ہو رہی ہے۔ اور اس بات کی دلیل موجود ہے کہ خالق مخلوق سے الگ ذات ہے یعنی اللہ اپنی مخلوق سے بالکل الگ اور علیحدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ”صفت استواء“ اور ”صفت علم“ کا اثبات ہے۔ اس آدمی کی بھی تردید ہو رہی ہے جو تمام مخلوقات کے قدیم ہونے کا گمان رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ”صفت معیت“ کا اثبات ہے، اس کی ”صفت بصر“ کا بھی اثبات موجود ہے۔

ان میں ”اعمال کی جزاء“ کا بیان بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ”صفت سمع“ کا اثبات ہے، صبر کرنے کی ترغیب موجود ہے اور صبر سے مراد نفس کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ناپسندیدہ امور سے روکے رکھنا ہے۔ اور اس کی تین اقسام ہیں:

- اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری پر صبر کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے رکنے پر صبر کرنا۔
- پریشانیوں پر صبر کرنا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب موجود ہے۔ تقویٰ سے مراد

---

[1] بخاري، كتاب التوحيد، باب ذكر النبي وروايته عن ربه: ٧٥٣٧۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجالانا اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کرنا ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے معاملے میں احسان اور حسن سلوک سے پیش آنے کی بھی ترغیب موجود ہے اور حدیث مبارکہ میں درجات ایمان کم وبیش ہونے کی بھی دلیل موجود ہے، اور یہ بھی ثبوت موجود ہے کہ دلوں کے اعمال بھی ایمان کے مسمیٰ میں داخل ہیں اور اس میں قلبی عمل کے افضل ہونے کا بھی ثبوت موجود ہے، اور احسان (اخلاق) دین کے مراتب میں سے سب سے کامل مرتبہ ہے۔ نیز یہ کہ اس میں اللہ کو قریب سمجھنے کے مستحب ہونے کی بھی دلیل ہے۔ حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی معیت پر بھی دلیل ہے۔

جبکہ حدیث ثانی میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے احاطہ کرنے کی دلیل ہے جس طرح اس کی عظمت وجلالت کے لائق ہے۔اس میں دوران عبادت اللہ تعالیٰ کی معیت پر بھی دلیل موجود ہے، اس میں دوران نماز قیام کرنے پر بھی دلیل پائی جاتی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوتی اور عین حالت نماز میں تھوکنا بھی جائز ہے اور یہ کہ اپنے چہرے کے سامنے اور دائیں جانب نماز کے مقام ومرتبہ کے پیش نظر تھوکنا منع ہے۔

اور تیسری حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اثبات ہورہا ہے اور یہ بھی ہے۔کہ عرش پیدا کیا گیا ہے اور اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جن کا خیال ہے کہ عرش مخلوق نہیں ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کی صفت کا بھی اثبات ہے، اور فرقہ ''قدریہ'' کی بھی تردید ہورہی ہے جو اس بات کے دعویدار ہیں کہ بندہ اپنے افعال پیدا کرتا ہے۔مزید یہ دلیل موجود ہے کہ قرآن مجید، تورات اور انجیل اتاری گئی ہیں اور یہ مخلوق نہیں ہیں اور ان لوگوں کی تردید ہو رہی ہے جو گمان رکھتے ہیں کہ یہ مخلوق ہیں۔

اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ مخلوقات قدیم ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی بقا، اور اس کے علو، اس کے قرب اور اس کے احاطہ کرنے کی بھی دلیل موجود ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی ''صفت علم'' اور ''صفت خبر'' کا اثبات بھی ہورہا ہے مزید اس میں دعا کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کرنے کا ثبوت بھی ہے۔

جبکہ چوتھی حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی ''صفت سمع'' اور اس کے قریب ہونے کا

اثبات ہے، اور پانچویں حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس طرح اس کے بعید ہونے کا بھی ثبوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی دو اقسام ہیں۔

احاطہ کرنے، اطلاع رکھنے اور جاننے کے اعتبار سے قریب ہونا۔

اپنے عبادت گزار بندے اور اس کے حضور دعائیں التجائیں کرنے والے سے ثواب دینے اور قبول کرنے کے اعتبار سے قریب ہونا۔

دونوں معیتوں کے مابین چند فرق

سوال نمبر: ۱۳۸ معیت عمومی اور معیت خصوصی کے مابین کیا فرق ہے؟

جواب معیت عمومی کے تقاضوں میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں:

1. معیت عمومی ذاتی صفات میں سے ہے جبکہ معیت خصوصی فعلی صفات میں سے ہے۔
2. معیت عمومی ڈرانے، اعمال کا محاسبہ کرنے اور مراقبہ کرنے کی ترغیب دلانے کے سیاق میں ہوتی ہے۔
3. معیت خصوصی کے تقاضوں میں، حفاظت کرنا، دیکھ بھال کرنا، مدد دینا، توفیق بخشنا، راہ راست پر گامزن کرنا، ہلاکت خیز مقامات و مواقع سے بچا لینا، اپنے انبیاء، رسل اور اولیاء پر لطف و کرم فرمانا وغیرہ امور شامل ہیں۔
4. معیت خصوصی انصاف کرنے اور اوصاف فاضلہ اور حمیدہ اختیار کرنے پر مرتب ہوتی ہے۔

لغت عرب اور ''مع'' کے استعمال میں اختلاط، امتزاج اور مجاورۃ کی وضاحت

سوال نمبر: ۱۳۹ کیا لغت عرب ''مع'' کے استعمال میں اختلاط (مخلوط ہونا) یا امتزاج (مل کر باہم ایک ہو جانا) یا مجاورۃ (کسی کا پڑوسی بن جانا) کے معانی کو

واجب قرار دیتی ہے؟

جواب لغت عرب ''مع'' کے استعمال میں اختلاط یا امتزاج یا مجاورۃ کو کسی طرح واجب قرار نہیں دیتی۔ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ ﴾ (٥٧/ الحدید:٤)

''وہ تمہارے ساتھ ہے۔''

کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ وہ مخلوق کے ساتھ خلط ملط ہو گیا ہے کیونکہ عرب اسے واجب قرار نہیں دیتے۔ بلکہ یہ معنیٰ لینا تو اسلاف امت کے اجماع کے بھی خلاف ہے اور اس فطری حقیقت کے بھی الٹ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تخلیق فرمایا ہے۔ چاند کو دیکھیے تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک چھوٹی سی مخلوق ہے جسے آسمان میں رکھا گیا ہے اس کے باوجود چاند مسافر اور غیر مسافر سبھی کی معیت میں ہے وہ ہر ایک کے ساتھ ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ عرش پر ہے اپنی ساری مخلوق کا نگران ہے، ان کی نگہداشت کر رہا ہے، ان کے احوال سے باخبر اور اطلاع رکھنے والا ہے، ان کے علاوہ دیگر سبھی معانی جو ربوبیت کے لفظ کے تحت آتے ہیں۔ وہ سارے کا سارا کلام جس میں اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر ہونے کا ذکر فرمایا ہے اس کا معنیٰ حقیقت پر مبنی ہے۔ اس میں کسی طرح کی تحریف معنوی کی گنجائش نہیں ہے، اس کی قدرے وضاحت قبل ازیں گزر چکی ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ظاہری لحاظ سے اور نہ ہی حقیقت کے اعتبار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے ساتھ مخلوط ہے یا ان کے ساتھ مل کر باہم ایک ہو گیا ہے۔ کوئی ایک لفظ کسی بھی اعتبار سے اس کی دلالت نہیں کرتا چہ جائیکہ کوئی لفظ حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہو۔

لفظ ''مع'' لغت اہل عرب میں ''صحبت'' یعنی ساتھ رہنے کے معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یہ لفظ اپنے متعلقات اور اپنے ساتھ ہونے کے اعتبار سے مختلف معانی دیتا ہے۔ انسان کے نفس کا ساتھ ہونا اس کا ایک الگ معنی ہے۔ اس کے علم، اس کی قدرت اور اس کی قوت کا ساتھ ہونا اس کا ایک الگ معنیٰ ہے، اس کی بیوی کا ساتھ ہونا اس کا ایک الگ ہی معنیٰ ہے،

اس کے امیر اور اس کے رئیس کا ساتھ ہونا ایک الگ معنیٰ ہے، اس کے مال کا ساتھ ہونا الگ معنیٰ بیان کر رہا ہے، مذکورہ تمام صورتوں میں معیت کا الگ الگ معنیٰ ہے، ہر جگہ میں تنوع اور اختلاف ہونے کے ساتھ معیت کے لفظ کا الگ الگ معنیٰ دینا بالکل صحیح اور درست ہے۔ یہ کہنا بھی بالکل درست ہے: اس کی بیوی اس کے ساتھ ہے لیکن ان دونوں کے درمیان انتہائی زیادہ دوری اور اختلاف بھی ہے۔ اس طرح یوں بھی کہا جا سکتا ہے فلاں کے پاس ایسا گھر ہے۔ اس کی امانت داری ایسی ہے۔ اب آپ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ معیت پر مبنی نصوص پر غور وفکر کریں مثلاً فرمان الٰہی ہے:

① ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ (٤٨/ الفتح:٢٩)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں۔''

② ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (٢/ البقرۃ:٤٣)

''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

③ ﴿لَن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا﴾ (٩/ التوبۃ:٨٣)

''تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے۔''

④ ﴿يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ ۖ﴾ (٥٧/ الحدید:١٤)

''یہ چلا چلا کر ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔''

⑤ ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (٩/ التوبۃ:١١٩)

''اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

⑥ ﴿وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ (١١/ ھود:٤٠)

''اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔''

⑦ ﴿فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ (٧/ الاعراف:٧٢)

''غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا۔''

⑧ ﴿فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ (٢/ البقرۃ:٢٤٩)

''(حضرت) طالوت مومنین سمیت جب نہر سے گزر گئے۔''

⑨ ﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (۳/ آل عمران:۵۳)

''پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔''

⑩ ﴿وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (۵/ المآئدہ:۸۴)

''اور ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا۔''

اسی طرح کی دیگر مثالیں:

کیا مذکور مثالوں میں سے کوئی ایک مقام بھی ذات میں الصاق (چمٹا ہوا) اور امتزاج کا تقاضا کر رہا ہے؟ تو رب تعالیٰ کے بارے میں کس طرح حقیقی معیت تصور کی جا سکتی ہے؟ حتیٰ کہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ مجاز ہے مبنی بر حقیقت نہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مقام ایسا نہیں ہے جو یہ ثابت کر رہا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان میں داخل ہے، اور نہ ہی ان سے چمٹنے، ان سے مخلوط ہونے اور نہ ہی مجاورۃ کی کسی صورت کو ہی ثابت کر رہی ہے۔ پس جو ان سے آخری اور انتہائی معنیٰ کو ثابت کر رہی ہیں وہ یہی ہے کہ مصاحبت، مقارنت اور موافقت جو کسی بھی امر میں ہو، ثابت ہو رہی ہے۔ یہ ہر مقام میں حسب موقع ہے جو اس کا تقاضا کر رہا ہے اور جو اس کے متعلق سے لازم ہے۔

تو جب یوں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ عمومی طریقہ سے اپنی مخلوق کے ساتھ ہے تو اس کا لازم یہ ہوگا کہ وہ ان کے ساتھ اپنے علم اور اپنی تدبیر کے ساتھ ہے۔ اور جب خصوصی طریقہ سے یہ بات کہی جائے گی تو معنیٰ یہ ہے جیسے آیت مبارکہ میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (۱۶/ النحل:۱۲۸)

''یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔''

تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کی معیت نصرت، تائید اور مدد کے ساتھ ہے۔ [1]

---

[1] مختصر صواعق، ج۲۔

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام

سوال نمبر: ۱۴۰ اللہ تعالیٰ کی ''صفت کلام'' پر ایمان لانے کا کیا مفہوم ہے؟

جواب ایسا پختہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کلام کرنے والا ہے ایسا کلام جو قدیم النوع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ازل سے حرف اور آواز کے ساتھ کلام فرمانے والا ہے جسے وہ چاہتا ہے اپنی مخلوق میں سے سنا دیتا ہے، جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر کسی واسطے کے اس کلام کو سن لیا تھا یا جس کسی کو اپنے بندوں اور اپنے رسولوں میں سے سننے کی اجازت دے دے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ آخرت میں اہل ایمان بندوں سے کلام کرے گا اور وہ اس سے کلام کریں گے۔

سوال نمبر: ۱۴۱ کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کلام'' کے اثبات پر کون سے دلائل ہیں؟

جواب فرمان باری تعالیٰ ہے:

1 ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ (٤/ النساء:١٦٤)

''اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔''

2 ﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ﴾ (٧/ الاعراف:١٤٣)

''اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ مقام پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں۔''

3 ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ﴾

(٢/ البقرة:٢٥٣)

''یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے۔''

4 ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ﴾

(٦/ الانعام:١١٥)

''اور آپ کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے اس کے

کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں۔"

5 ﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ﴾
(٧/ الاعراف:١٤٤)

"ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! میں نے پیغمبر اور اپنی ہم کلامی سے دیگر لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے۔"

6 ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ﴾ (١٨/ الكهف:١٠٩)

"کہہ دیجیے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔"

7 ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ﴾ (٣١/ لقمان:٢٧)

"روئے زمین کے تمام درختوں کی اگر قلمیں ہو جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہی ہو اور ان کے بعد سات سمندر اور ہوں پھر بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔"

8 ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (٤/ النساء:١٢٢)

"اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟"

9 ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (٤/ النساء:٨٧)

"اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا؟"

10 ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِىَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ﴾ (٢٠/ طٰهٰ:١١-١٢)

"جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں۔"

11 ﴿اِنَّنِىْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ﴾ (٢٠/ طٰهٰ:١٤)

"بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔"

12 ﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ﴾ (٧/ الاعراف:٢٢)

''اوران کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کر چکا تھا۔''

13 ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ﴾ (۲۸/ القصص:۶۵)

''اس دن انہیں بلا کر پوچھے گا کہ تم نے نبیوں کو کیا جواب دیا؟''

14 ﴿وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (۲۶/ الشعراء:۱۰)

''اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ تو گناہ گار لوگوں کے پاس جا۔''

15 ﴿وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا﴾ (۱۹/ مریم:۵۲)

''اور راز گوئی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا۔''

16 ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ (۴۲/ الشوریٰ:۵۱)

''ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے بیشک وہ بزرگ ہے حکمت والا ہے۔''

البتہ سنت مبارکہ سے چند دلائل ملاحظہ کریں۔

1. نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی:

((يَقُولُ اللَّهُ يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ فَيُنَادِي بِصَوْتٍ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ)) [1]

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! تو وہ جواب میں کہیں گے: میں حاضر ہوں تمام خوشیاں تیرے پاس ہیں، پھر اللہ تعالیٰ بآواز بلند پکاریں گے: اللہ تعالیٰ تجھے حکم دیتا ہے کہ تو اپنی اولاد میں سے ایک حصہ دوزخ کے لیے نکال دے۔''

2. حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے یوں فرمایا ہے:

((يَحْشُرُ اللَّهُ الْخَلَائِقَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً بُهْمًا فَيُنَادِي بِصَوْتٍ

[1] بخاري، كتاب تفسير القرآن، باب وترى الناس سكارى: ۴۷۴۱۔

يَسْمَعُهُ مَنْ بَعُدَ كَمَا يَسْمَعُهُ مَنْ قَرُبَ: أَنَا الْمَلِكُ أَنَا الدَّيَّانُ)) [1]

''اللہ تعالیٰ سبھی مخلوقات کو قیامت کے روز ننگے پاؤں اور ننگے بدن جمع فرمائے گا پھر ایک آواز دے گا جسے دور والا بھی ایسے ہی سنے گا جیسے قریب والا میں بادشاہ ہوں میں، میں بدلہ دینے والا ہوں۔''

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے:

((إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ ﴿حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ [2]

(٢٤/ النور: ٢٣)

''جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ سناتے ہیں تو ملائکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اقدس کے سامنے فروتنی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگتے ہیں جیسا کہ پتھر کی چٹان پر زنجیر لگنے کی آواز ہو پھر اسی حالت میں ان میں حکم نافذ فرماتا ہے (یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب دیتے ہیں کہ حق فرمایا اور وہ بلند و بالا اور بہت بڑا ہے)۔''

④ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يُّوْحِيَ بِالْأَمْرِ تَكَلَّمَ بِالْوَحْيِ أَخَذَتِ السَّمٰوٰتُ مِنْهُ رَجْفَةً أَوْ قَالَ رَعْدَةً شَدِيْدَةً خَوْفًا مِّنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَإِذَا سَمِعَ ذٰلِكَ أَهْلُ السَّمٰوٰتِ صَعِقُوْا وَخَرُّوْا لِلّٰهِ سُجَّدًا)) [3]

''جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی وحی فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں، تو وحی کے ساتھ کلام

---

[1] بخاري تعليقًا، كتاب التوحيد، باب قول اللّٰه لا تنفع الشفاعة۔

[2] بخاري، تفسير القرآن، باب قوله الامن استرق السمع: ٤٧٠١۔

[3] عون المعبود، كتاب السنة۔

فرمانے لگتے ہیں تو آسمانوں پر اس کلام وحی کی وجہ سے خوف الٰہی سے سخت زلزلہ اور کپکپی سی طاری ہو جاتی ہے تو جب آسمانوں والے اس کو سنتے ہیں تو بے ہوش ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔"

سوال نمبر: ۱۴۲ مذکورہ آیات اور احادیث کے بعض معروف معانی کا تذکرہ کیجئے۔

جواب (۱) ان آیات اور احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات صفت کلام سے متصف ہے اور اس سے بڑھ کر کسی کی بات سچی نہیں ہو سکتی۔

(۲) اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کلام اللہ سے کلام نفسی مراد لیتے ہیں کیونکہ ایسی کلام سنی ہی نہیں جا سکتی جب کہ اللہ کی کلام، قول، پکار، امر نہی یا سرگوشی پر مشتمل ہے اور سنی جا سکتی ہے۔

(۳) اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کلام اللہ میں حرف اور آواز ہے جس طرح کہ اس کی عظمت وجلال کے لائق ہے۔

(۴) اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کلام، اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے کیونکہ اس نے (کلم اللہ موسیٰ) کے بعد تکلیما مصدر کے ساتھ مجاز کا احتمال ختم کر دیا ہے اور اہل عرب مصدر کے ساتھ تاکید اسی صورت میں لاتے ہیں جب مقصود حقیقت کا اثبات ہو۔

(۵) اور اس میں یہ دلیل ہے کہ کلام کی یہ قسم قدیم اور ابدی ہے اور صفت کلام، اللہ کی ذات کے ساتھ متصف اور اس کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے اس کی ذاتی صفت ہے۔ اور اللہ کی مشیت اور قدرت کے ساتھ تعلق کی بناء پر اس کا شمار صفات فعلیہ میں سے ہوتا ہے۔

(۶) اللہ کی کلام سے آسمان حرکت میں آتے ہیں اور آسمان اور اہل آسمان اللہ کی کلام کو سنتے ہیں۔

(۷) بے ہوشی کے عالم میں سب اہل آسمان شامل ہیں۔

(۸) اس میں عظمت الٰہی کا اثبات ہے جس سے بندے کے دل میں اس کا خوف پیدا ہوتا ہے۔

(۹) اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفت ارادہ کا اثبات ہے۔

(۱۰) اس میں اشاعرہ کا رد ہے جو قرآن کریم کو کلام اللہ سے عبارت قرار دیتے ہیں۔

(۱۱) اور مذکورہ حدیث سے ثابت ہے کہ ذات الٰہی صفت علو (بلندی) سے متصف ہے اور وہ عظیم وکبیر ذات ہے جس سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

(۱۲) اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایک روز کائنات قبروں سے اٹھے گی، جسم پر کوئی لباس ہوگا نہ پاؤں میں جوتے۔

(۱۳) اس میں اللہ کی صفت ملک اور اعمال پر جزا اور سزا کا ثبوت بھی ہے۔

(۱۴) اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب آواز دیتے ہیں تو قرب وبعد کے سب فاصلے سمٹ جاتے ہیں واللہ اعلم۔

کلام الٰہی کی اقسام

سوال نمبر: ۱۴۳ کلام الٰہی کی بالواسطہ اور بغیر واسطہ صورتوں کو مثالوں سے واضح کریں۔

جواب بلاواسطہ کلام کی مثال: مثلاً اللہ تعالیٰ کا آدم وحوا سے کلام کرنا، اس طرح موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا۔ اور دوسری قسم بالمعنی بالواسطہ کلام تو یہ کلام یا تو انبیاء کی طرف وحی اور الہام کی صورت میں ہوتا ہے یا پھر فرشتہ کے توسط سے کہ اللہ کسی فرشتہ کو انبیاء کی طرف بھیجتا ہے جو اس کے حکم کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ (۴۲/ الشوریٰ:۵۱)

"یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی، یا پردہ کے پیچھے سے کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیج کر اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے یقیناً وہ برتر اور حکیم ذات ہے۔"

سوال نمبر: ۱۴۴ اللہ کی کلام کونی قدری اور اللہ تعالیٰ کی کلام دینی شرعی کی دلیل پیش کریں۔

جواب کلام کونی قدری سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ کلام ہے جس کے ذریعہ کائنات کی اشیاء وجود پذیر ہوئی ہیں اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾ (۳۶/ یس:۸۲)

''ہمیں کسی چیز کو وجود میں لانے کے لیے صرف یہ کہنا ہوتا ہے کہ ہم حکم دیں'' ہو جا'' اور بس وہ ہو جاتی ہے۔''

جبکہ دینی اور شرعی کلام کی دلیل

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾

(۱۶/ النحل: ۹۰)

''یقیناً اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔''

قرآن کریم پر ایمان

سوال نمبر: ۱۴۵ قرآن کریم پر ایمان سے کیا مراد ہے؟

جواب اس بات کا پختہ یقین ہے کہ قرآن کریم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کلام ہے وہ اللہ کی واضح کتاب ہے اور اس کی مضبوط رسی ہے جس پر چل کر انسان راہ راست پر گامزن ہوسکتا ہے، اسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، وہ مخلوق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس کا مبدا و مرجع ہے اور اللہ تعالیٰ نے حقیقتاً اس کے ساتھ کلام کیا ہے، اور اس کو کلام اللہ سے حکایت قرار دینا درست نہیں ہے، جیسا کہ فرقہ کلابیہ کا عقیدہ ہے۔ اور نہ ہی اسے کلام اللہ سے عبارت قرار دینا درست ہے، جیسا کہ اشاعرہ کا دعویٰ ہے اس کی تلاوت کرنے یا اسے مصاحف میں رکھنے سے یہ اللہ تعالیٰ کے کلامِ حقیقی سے خارج نہیں ہو جاتا، بلکہ اس صورت میں بھی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی حقیقی کلام ہے۔

وہ حروف، کلمات، محکم سورتوں اور واضح آیات کا مجموعہ ہے اور محکم، متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام اور اوامر و نواہی پر مشتمل ہے۔

قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے پر دلیل

سوال نمبر: ۱۴۶ کیا دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے؟ نیز کیا وہ شخص کافر ہے جو اس کی کسی آیت یا سورت کا انکار کرے یا بعض کو مانے اور بعض کو نہ مانے؟

جواب متعدد آیات قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کا پتہ دیتی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ﴾

(۹/ التوبۃ:۶)

''اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔''

نیز فرمایا:

﴿ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ﴾ (۴۸/ الفتح:۱۵)

''وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دینا چاہتے ہیں۔''

﴿ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ﴾ (۲/ البقرۃ:۷۵)

''ان میں سے ایک فریق کا شیوہ یہ رہا ہے کہ وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں اور پھر دانستہ اس میں تحریف کرتے ہیں۔''

﴿ وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ﴾

(۱۸/ الکہف:۲۷)

''اے محمد! تیرے رب کی کتاب سے تیری طرف جو وحی کی گئی ہے اس کو پڑھو۔ اس کے کلمات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے۔''

﴿ اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ ﴾ (۲۹/ العنکبوت: ۴۵)

''پڑھیے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کیا جا رہا ہے۔''

﴿ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ ﴾ (۶/ الانعام:۹۲)

﴿ لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

اللّٰهِ﴾ (۵۹/ الحشر:۲۱)

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ خوف الٰہی سے پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔''

﴿وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ﴾ (۱۶/ النحل:۱۰۱)

''اور جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نازل کرتا ہے اسے خوب جانتا ہے۔''

﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ (۱۶/ النحل:۱۰۲)

''کہہ دیجئے کہ اسے آپ کے رب کی طرف سے جبرائیل حق کے ساتھ لے کر آئے ہیں۔''

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠﴾
(۲/ البقرۃ:۲۳)

''ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ۔''

﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ؀﴾ (۲۹/ العنکبوت:۴۹)

''بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں ہماری آیتوں کا منکر بجز ظالموں کے کوئی اور نہیں۔''

اس کے علاوہ متعدد احادیث مبارکہ میں بھی اس کی دلیل موجود ہے۔

جامع ترمذی کی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! پوچھا ان سے نکلنے کا راستہ کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی کتاب جس میں تم سے پہلی امتوں اور آیندہ آنے والی قوموں کی خبریں ہیں اور ان کے مسائل کا حل ہے۔ وہ کوئی مزاحیہ اور غیر سنجیدہ کلام نہیں بلکہ کتاب فیصل ہے، اس میں تمہارے تنازعات کا حل ہے جس نے تکبر کی بناء پر اسے چھوڑ

دیا، اللہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اور جو اس کو چھوڑ کر کسی اور راہ کا راہی ہوا اللہ اس کو گمراہ کر دے گا۔ اللہ کی کتاب مضبوط رسی، ذکر حکیم اور سیدھا راستہ ہے جس پر چل کر انسان کی خواہشات بے قابو ہوتی ہیں اور نہ ہی ان کی زبانیں ٹیڑھی ہوتی ہیں۔ اس کتاب حکیم کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ نہ علماء کا جی اس سے بھرے گا۔ جس نے اس کے مطابق بات کی، اس نے سچ کہا۔ جس نے اس کے مطابق عمل کیا وہ اجر پا گیا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا۔ جس نے اس کی طرف دعوت دی وہی راہ راست پر گامزن ہے۔" اور صحیح حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَرَاءَ الْقُرْآنَ فَاعربه فَلَه بِكُلِّ حَرْفٍ مِنْهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمَنْ قَرَأَهُ وَلَحَنَ فيه بِكُلِّ حَرْفٍ حَسَنَةٌ)) [1]

"جس نے صحیح عربی لہجہ میں قرآن کی تلاوت کی، اس کے لیے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ہیں اور جس نے اسے لحن کے ساتھ پڑھا اس کے لیے ہر حرف کے بدلے ایک نیکی ہے۔"

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((اقْرَءوا الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ يَاتِيَ قَوْمٌ يقمونه اِقَامَةَ السَّهْمِ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَتَعَجَّلُونَ أَجْرَهُ وَلَا يتاجَّلُونَه))

"لوگو! قرآن کریم کو پڑھو قبل اس کے کہ ایک قوم آئے گی اور وہ قرآن کریم کو تیر کی طرح سدھا کر کے پڑھیں گی، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دنیا میں ہی اس کے اجر کے طلب گار ہوں گے اور آخرت میں اس کے امیدوار نہیں ہوں گے۔"

نیز حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے:

((اِعْرَابُ الْقُرآنِ أَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ حِفْظِ بَعْضِ حُرُوْفِهِ)) [2]

---

[1] کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ شعب الایمان، باب فضل فی قراءۃ القرآن: ۲۲۹۶۔

[2] کنزل العمال: ٤١٧٦۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((مَنْ كَفَرَ بِحَرْفٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَقَدْ كَفَرَ بِهِ كُلِّهِ)) [1]

"جس نے قرآن کے ایک حرف کا انکار کیا گویا اس نے پورے قرآن کا انکار کر دیا۔"

اور تمام مسلمانوں کا قرآن کریم کی سورتوں، آیات، کلمات اور حروف کی تعداد پر اتفاق ہے۔

اور مسلمانوں میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص قرآن کی کسی سورت، آیت کلمہ، یا کسی متفق علیہ حرف کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے اور یہ قطعی دلیل ہے کہ قرآن حروف کا مجموعہ ہے۔

سوال نمبر: ۱۴۷ قاری قرآن جب قرآن کو پڑھے یا اسے اوراق میں قلم بند کر دیا جائے تو اس کے بارے میں صحیح نقطہ نظر کیا ہے؟

جواب قرآن کریم کو پڑھا جائے، یا حفظ کیا جائے یا لکھا جائے یا کانوں سے سنا جائے وہ ہر صورت کلام اللہ ہی ہے۔ جہاں تک قاری کی آواز کا تعلق ہے تو وہ مخلوق ہے لیکن جس کلام کو وہ پڑھ رہا ہے وہ بہر حال کلام باری تعالیٰ ہے۔ جس ورق پر اور جس سیاہی سے قرآن لکھا گیا ہے وہ دونوں ہی مخلوق ہیں لیکن اللہ کی کلام مخلوق نہیں ہے چنانچہ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے امام قحطانی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ولقد شفانا قول شاعرنا الذی
قال الصواب وجاء بالاحسان

"ہمارے شاعر کی بات نے یقیناً ہماری تشفی کر دی ہے جس نے کہ نہایت درست بات کی ہے۔"

ان الذی هو بالمصاحف مثبت
بأنامل الاشیاخ والشبان

---

[1] کنز العمال: ٤٠٣٦۔

''(وہ یہ کہ) وہ جو مصاحف میں نوجوان اور بوڑھے ہاتھوں نے درج کیا ہے۔''

هو قول ربي آيهُ و حروفه
و مدادنا والرق مخلوقان

''وہ تو بلاشبہ میرے رب کا کلام ہے، اس کی آیات بھی اور حروف بھی البتہ ہماری سیاہی اور کاغذ دونوں مخلوق ہیں۔''

فشفي و فرق بين متلو
و مصنوع و ذاك حقيقة العرفان

''تم کلام متلو (پڑھا جانے والا) اور مصنوع میں فرق کرو یہی معرفت کی حقیقت ہے۔ اور تسلی حاصل کرو۔''

قرآن کے بارے میں مختلف فرقوں کے نظریات

سوال نمبر: ۱۴۸ مسئلہ کلام کے متعلق درج ذیل فرقوں کے نظریات بیان کیجئے۔

جہمیہ معتزلہ کلابیہ اشاعرہ کرامیہ
ماتریدیہ وحدۃ الوجودی سالمیہ، صابئہ اور فلاسفہ

جواب جہمیہ اور معتزلہ کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔ کلابیہ اور ان کے پیروکار کہتے ہیں کہ قرآن کی دو اقسام ہیں ایک الفاظ اور دوسری معانی، پس الفاظ مخلوق ہیں الفاظ سے مراد موجودہ الفاظ ہیں۔ البتہ معانی قدیم اور ذات الٰہی کے ساتھ قائم ہیں اور یہ درحقیقت ایک ہی معنی ہے جو تعداد اور تقسیم کو قبول نہیں کرتا، اگر اسے عربی میں بیان کیا جائے تو وہ قرآن ہے اور اگر اسے عبرانی میں بیان کیا جائے تو وہ توراۃ ہے اور اگر اسے سریانی میں تعبیر کیا جاتا تو وہ انجیل ہے اور اس کا اللہ کی مشیت سے کوئی تعلق ہے نہ اس کی قدرت سے۔

اور فرقہ کرامیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن اللہ کی مشیت اور قدرت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور وہ رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور وہ آوازوں اور حروف پر مشتمل ہے جن کو سنا جا

سکتا ہے اور وہ حادث ہے یعنی اپنے وجود میں آنے سے پہلے موجود نہیں تھا۔

لیکن ان کی یہ بات غلط ہے کہ قرآن حادث ہے اور اس کے لیے کوئی آغاز کار ہے۔

ماتریدیہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کی کلام ایسے معانی پر مشتمل ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور ان معانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے غیر میں تخلیق کر دیا ہے۔ یہ ابومنصور ماتریدی کا نظریہ ہے۔ نظریہ وحدۃ الوجود کے قائلین کا مذہب یہ ہے کہ کائنات میں موجود ہر کلام، نظم ونثر، حق و باطل، سحر وکفر، سب وشتم، بدگوئی اور فحش کلامی اور اس کے برعکس ہر قسم کی کلام، بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی کلام ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے۔

سالمیہ کا مذہب یہ ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ زندگی کی طرح قائم اور منسلک ہے۔ اور اللہ کی مشیت اور قدرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ حروف واصوات، سورتوں اور آیات پر مشتمل ہے اور وہ حروف اور آوازیں باہم مرتب اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں۔ وہ آگے پیچھے نہیں ہوتے 'بسم' میں 'با' سین اور میم کے ساتھ ہمیشہ سے متصل ہے نہ اس سے پہلے کسی وقت وہ مفقود و معدوم تھی اور نہ آئندہ کبھی ہوگی، بلکہ وہ ہمیشہ سے اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

صائبہ اور فلاسفہ کا عقیدہ یہ ہے کہ کلام اللہ درحقیقت وہ معانی ہیں جن کا نفوس پر القاء ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض کے نزدیک اس القاء اور فیضان کا اصل مرجع عقل اور بعض کے نزدیک کئی اور چیزیں ہیں۔

روزِ آخرت مومنوں کے لیے دیدارِ الٰہی پر ایمان

سوال نمبر: ۱۴۹ آخرت میں دیدارِ الٰہی پر ایمان سے کیا مراد ہے؟

جواب اس سے مراد اس بات کا پختہ یقین ہے کہ قیامت اور جنت میں مومن اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے، اس کی زیارت کریں گے اللہ ان سے گفتگو کرے گا اور وہ اللہ سے گفتگو کریں گے۔

سوال نمبر: ۱۵۰ کتاب وسنت میں اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب فرمان الٰہی ہے:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (۷۵/ القیامۃ:۲۲-۲۳)

''اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''

اور فرمایا:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (۱۰/ یونس:۲۶)

''جن لوگوں نے بھلائی کی راہ اختیار کی ان کے لیے اچھا بدلہ ہے اور مزید بھی ہے۔''

اور مزید سے مراد اللہ کا دیدار ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے اس کی یہ تفسیر کی ہے۔

نیز صحیح مسلم کی حدیث ہے:

((فَيُكْشِفُ الْحِجَابَ فَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَمَا أَعْطَاهُمْ شَيْئًا آحَبُّ اِلَيْهِم مِنْ النَّظْرِ اِلَيْهِ)) [1]

''پھر پردہ اٹھے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے اور اس دیدار الٰہی سے زیادہ محبوب کوئی اور نعمت ان کے نزدیک نہیں ہوگی۔''

اور یہی وہ مزید ہے جس کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ﴾ (۵۰/ ق:۳۵)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن ابی طالب اور انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ (۸۳/ المطففین:۱۵)

''ہرگز نہیں! اس روز یقیناً وہ اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے۔''

جب اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو اپنے دیدار سے محروم رکھیں گے تو یہ اس بات کی واضح

---

[1] مسلم. كتاب الإيمان، باب اثبات روية المؤمنين فى الآخرة...... : ۱۸۱۔

دلیل ہے کہ اللہ کے مومن بندے اس کے دیدار سے فیض یاب ہوں گے۔ وگرنہ دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا۔

حدیث میں رؤیت باری تعالیٰ کی دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((سَتَرَونَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَونَ القمر ليلة البدر لا تُضَامون في رُويته)) [1]

''اس دن تم اپنے رب کو اس طرح اپنے سامنے دیکھو گے جس طرح تم چاند کو دیکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے۔''

صحیح مسلم میں ہے:

((اِنَّكُمْ لَنْ تَرَوا رَبَّكُمْ تبارك وتعالٰى حَتّٰى تَمُوتُوا)) [2]

''اور خوب جان رکھو! تم موت سے پہلے اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔''

نیز صحیحین میں ہے:

صحابہ نے پوچھا (اے اللہ کے رسول) کیا روز قیامت ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، کیا تم حالت بیداری میں سورج کو دیکھنے میں کوئی دقت محسوس کرتے ہو جب کہ آسمان پر کوئی بادل نہ ہو۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دعا میں یہ فرماتے ہوئے سنا:

((وَ اَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظْرِ الى وَجْهِكَ)) [3]

''اے اللہ! میں تیرے چہرے کے دیدار کی لذت کا خواستگار ہوں۔''

روز قیامت اور جنت میں دیدار الٰہی کے منکرین کے دلائل

سوال نمبر: ۱۵۱ وہ کون لوگ ہیں جو دیدار الٰہی کے منکر ہیں، ان کے دلائل کیا ہیں اور آپ کیسے ان کا رد کریں گے؟

جواب جہمیہ، معتزلہ، اوران کے متبعین خوارج اور امامیہ دیدار الٰہی کے منکر ہیں لیکن

---

[1] ترمذی، کتاب صفة الجنة: ۲۵۵٤۔ [2] مسند احمد، باقی مسند الأنصار: ۲۲۲۵۸۔

[3] نسائی، کتاب السهو: ۱۳۰۵۔

قرآن وسنت کے مطابق ان کا یہ نظریہ باطل اور قابل تردید ہے۔ان گمراہ فرقوں کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے:

﴿ لَنْ تَرٰىنِيْ ﴾ (۷/ الاعراف:۱٤۳)

''(اے موسیٰ) تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔''

اسی طرح فرمان الٰہی:

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ (٦/ الانعام:۱۰۳)

''کسی کی نگاہ اس کو محیط نہیں۔''

بھی ان کی دلیل ہے۔

ان کا رد

① سب سے پہلے تو ان کا رد اہل سنت والجماعت کے ان مذکورہ بالا دلائل سے ہوتا ہے جو دیدار الٰہی کا واضح ثبوت ہیں۔

② جو دلائل انہوں نے اپنے حق میں پیش کیے ہیں، وہ خود ان کے خلاف دلیل ہیں۔

جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے تو وہ کئی اعتبار سے رؤیت باری تعالیٰ کو ثابت کرتی ہے۔

① پہلی بات یہ ہے کہ اگر اللہ کا دیدار محال ہوتا جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو کلیم اللہ کی عظمت پانے والے اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے محال امر کا کبھی اپنے رب سے سوال نہ کرتے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا انکار نہیں کیا، اگر دیدار الٰہی محال اور ناممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے پیغمبر کے سوال کو غلط قرار دے دیتے۔

جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کو غرق ہونے سے بچانے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو غلط قرار دے کر کہا: اے نوح جس کو تو اپنا اہل کہتا ہے وہ دراصل تیرا اہل نہیں ہے۔

③ پھر اللہ نے ﴿ لَنْ تَرٰىنِيْ ﴾ کہا ہے کہ ''اے موسیٰ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔'' یہ نہیں کہا کہ ﴿ اِنِّیْ لَا اُرٰی ﴾ کہ میں دیکھا نہیں جا سکتا۔ یا ﴿ لَا یَجُوْزُ رُؤْيَتِيْ ﴾ مجھے

دیکھنا جائز نہیں ہے، وغیرہ اوران دونوں جوابات کے درمیان فرق واضح ہے۔

④ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:

﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ﴾

(۷/ الاعراف:۱۴۳)

''لیکن اے موسیٰ! تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو عنقریب تم مجھے دیکھ لوگے۔''

تو یہاں دراصل اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات سمجھائی ہے کہ جب پہاڑ اپنی بے پناہ قوت اور سختی کے باوجود اس دار دنیا میں اللہ کی تجلی کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تو پھر یہ ضعیف الخلقت انسان اللہ کی تجلی کو اس دنیا میں کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ گویا یہاں اس دنیا میں اللہ کو دیکھنے کی نفی ہے نہ کہ آخرت میں۔

⑤ اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ پہاڑ کو اپنی تجلی کے سامنے قائم رکھے، اور یہ اس کے لیے کوئی بعید نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنے دیدار کو استقرار پہاڑ کے ساتھ معلق کیا ہے۔

⑥ پھر اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾

(۷/ الاعراف:۱۴۳)

''چنانچہ اس کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑا۔''

تو پہاڑ جو جمادات میں سے ہے نہ اس کے لیے جزا ہے نہ سزا۔ اس کے لیے اگر اللہ تعالیٰ اپنی تجلی کر سکتا ہے تو پھر اپنے پیغمبروں اور برگزیدہ لوگوں کے لیے کیوں نہیں کر سکتا۔

⑦ بے شک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور جس نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اور ان سے سرگوشی کی کلام کرنے کو جائز سمجھا ہے اور وہ اپنی کلام سنا سکتا ہے اپنے مخاطب کو بغیر واسطے سے لہٰذا اس کا دیدار جواز کے زیادہ لائق ہے۔ (من شرح الطحاویہ)

اللہ تعالیٰ کی فعلی اور ذاتی صفات

سوال نمبر: ۱۵۲ درج ذیل احادیث سے آپ کو کیا معانی سمجھ آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَيَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ)) [1]

''اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کون مجھ سے دعا کرنے والا ہے تا کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں، کون مجھ سے سوال کرنے والا ہے تا کہ میں اس کو عطا کروں۔ کون مجھ سے بخشش طلب کرنے والا ہے تا کہ میں اس کو بخش دوں۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ بِرَاحِلَتِهِ)) [2]

''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے اتنا خوش ہوتے ہیں جتنی خوشی تم میں سے کسی کو گم شدہ سواری ملنے پر بھی نہیں ہوتی۔''

اور کہا:

((يَضْحَكُ اللّٰهُ إِلَى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ)) [3]

''اللہ تعالیٰ ان دو آدمیوں پر خوش ہوتا ہے جن میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا اور دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔''

اور فرمایا:

---

[1] بخاری، کتاب الجمعة، باب الدعاء فی الصلاة: ۱۱٤٥۔

[2] مسلم، کتاب التوبة، باب فی الحض علی التوبة، ۲۷٤٦۔

[3] بخاری، کتاب الجهاد، باب الکافر یقتل المسلم......: ۲۸۲٦۔

((عَجَبَ ربك مِنْ قُنُوْطِ عِبَادِهٖ وَقُرْبِ غيثة يَنْظُرُ اليكُمْ قَنَطِيْنِ فَيظَلُّ يَضْحَكُ يَعْلَمُ اَنَّ فَرْجَكُمْ قَرِيْبٌ)) [1]

''اللہ تعالیٰ بندوں کے مایوس ہونے سے اور دوسروں کے قریب ہونے سے تعجب کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہنستے ہیں اور جانتے ہیں کہ مصیبت کا خاتمہ قریب ہے۔''

اور فرمایا:

((لَا تَزَالُ جَهنَّمُ يُلْقٰى فِيْهَا وَهِيَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ رِجْلَهُ فِيْهَا))

''جہنم میں مجرموں کو ڈالا جائے گا اور وہ کہتی رہے گی کیا کچھ اور بھی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا پاؤں رکھیں گے اور ایک دوسری روایت میں قدم رکھنے کے الفاظ آتے ہیں۔''

اور فرمایا:

((مَا مِنكُمْ مِنْ أَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ وَبَيْنَهُ بَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ))

''نہیں ہے تم میں سے کوئی ایک مگر عنقریب کلام کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان بھی نہ ہوگا۔ (یعنی ایک دوسرے کی کلام کو بغیر کسی واسطے سے سمجھے گا)''

جواب پہلی حدیث سے اللہ تعالیٰ کی صفت نزول کا اثبات ہوتا ہے جو ہر رات آسمان دنیا کی طرف رات کے آخری حصے میں ہوتا ہے جیسا اس کی عظمت اور جلال کے لائق ہے۔ اور نزول فعلی صفت ہے اس کے معنی میں تحریف جائز نہیں ہے کہ اس کا امر اترتا ہے یا اس کی رحمت یا فرشتوں میں سے چند فرشتے اترتے ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کہنا کون ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں اس سے یہ ہرگز سمجھ نہیں آتا کہ نزول سے مراد امر ہے یا رحمت ہے

---

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة، ٦/ ٧٣٢ (٢٨١٠)۔

اس کا جواب سوال نمبر ۱۰۶ میں گزر چکا ہے۔ اور اس حدیث میں صفت کلام کا ثبوت ہے۔ اور اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ یقیناً رات کا آخری حصہ دعا کی قبولیت کے اوقات میں سے ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے قدم کا ثبوت ہے اور اللہ تعالیٰ کا بلند ہونا اپنی مخلوق پر اور صفت ربوبیت کا ثابت ہونا ہے۔ اور ان لوگوں کا رد ہے، جنہوں نے گمان کیا ہے کہ بے شک وہ حائل ہو جاتا ہے اپنی ذات کے ساتھ اور افعال اختیاریہ کے ساتھ اور اپنے بندے پر نرمی کرنے کے ساتھ اور اپنی رحمت کے ساتھ۔

دوسری حدیث۔ میں صفت فرح (خوشی) کا ثبوت ہے اور وہ فعلی صفتوں میں سے ہے اور بے شک اس کی خوشی آگے بڑھاتی ہے اور ابھارتی ہے۔

تیسری حدیث میں صفت ضحک (ہنسنا) کا ثبوت ہے اور یہ بھی فعلی صفتوں میں سے ہے جس طرح اس کی عظمت وجلال کے لائق ہے۔ اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بے شک قاتل کے لیے توبہ ہے اور اس میں جہاد کی فضیلت اور اس پر ابھارنا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کے راستے میں یہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور جو اللہ کے راستے میں شہید ہو جائے وہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔

چوتھی حدیث میں صفت تعجب کا ثبوت ہے اور وہ فعلی صفات میں سے ہے۔ اور ہنسنے اور مخلوق کی طرف دیکھنے کا ثبوت ہے۔ پس یہ سب صفتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہوتی ہیں جس طرح اس کی عظمت اور جلال کے لائق ہے۔

پانچویں حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بے شک جہنم بھی کلام کرے گی اور مزید مطالبہ کرے گی بے شک وہ بات کرنے والے کی طرح بات کرے گی یا پھر زبان حال سے کہے گی۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفت رِجل (پاؤں) کا ثبوت ہے جس طرح اس کی عظمت کے لائق ہے اس میں معطلہ کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے رجل کا انکار کرنے والے ہیں اور دوسری روایت میں اللہ تعالیٰ کے قدموں کا ثبوت ہے۔

چھٹی حدیث: اس حدیث میں صفت کلام کا ثبوت اور ان لوگوں کا رد ہے جو اس کی نفی

کرتے ہیں اور یہ کلام تمام لوگوں کے لیے عام ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس کے منافی نہیں ہے۔ ﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ (اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا اور کیونکہ یہاں نفی ان لوگوں کی مراد ہے جن کو سزا دی جائے گی جب تک اللہ تعالیٰ ان پر آسانی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔

باطل فرقوں کے مابین اہل سنت کی میانہ روی

سوال نمبر: ۱۵۳ اہل تعطیل جہمیہ اور اہل تعطیل مشبہ کے درمیان کیسے اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں میانہ روی اختیار کی ہے؟۔

جواب بے شک معطلہ تو بہت ساری صفات الٰہیہ کی نفی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ان کے قائم ہونے کا انکار کرتے ہیں اور وہ حقیقت میں کمی کرنے والے اور زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور مشبہ جو اللہ تعالیٰ کی ساری صفات کو یا بعض کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں وہ حقیقت میں سرکشی کرنے والے اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

اور اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ صفتوں کو بغیر تمثیل ثابت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی صفات ساتھ سے منزہ (یعنی پاک) مانتے ہیں۔ پس وہ نفی اور اثبات کو جمع کرنے والے ہیں۔

جبریہ اور قدریہ کے درمیان اللہ تعالیٰ کے افعال کے باب میں اہل سنت کا میانہ روی اختیار کرنا

سوال نمبر: ۱۵۴ جبریہ اور قدریہ کے مقابلہ میں اہل سنت والجماعت اللہ کے افعال کے بارے میں کیسے میانہ روی اختیار کرتے ہیں اور جبریہ کون ہیں؟ اور انہوں نے یہ نام کیوں رکھا۔ اور ان کا مذہب کیا ہے؟

جواب جبریہ: وہ جنہوں نے جہم بن صفوان کی اتباع کی اور انہوں نے اپنا نام جبریہ رکھا کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ بے شک بندہ اپنے کام اور حرکات پر مجبور ہے۔

اور اس کے افعال اضطراری ہیں۔

جبریہ گمان کرتے ہیں کہ بندے اپنے طور پر کوئی کام نہیں کرتے۔ان کے نزدیک فاعل حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے اور بندوں کے افعال کی اضافت بندوں کی طرف کرنا مجاز ہے۔ان کا مذہب باطل ہے۔قدریہ انہوں نے معبد الجہنی کی اتباع کی ہے کیونکہ یہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے تقدیر کے متعلق بات کی ہے۔

قدریہ: انہوں نے معبد الجہنی کی اتباع کی ہے کیونکہ یہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے تقدیر کے متعلق بات کی ہے۔ان کے مذہب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال اور ان کی فرمانبرداری یعنی اطاعت اور نافرمانی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں داخل نہیں ہیں۔پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ظاہری مخلوق اور ان کے اوصاف پر تو ثابت کیا ہے مگر مکلفین کے افعال سے اس کی نفی کی ہے۔اور انہوں نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نہ اس کو رد کرتا ہے اور نہ اس کو چاہتا ہے لوگ اس کا خود ارادہ کرتے ہیں اور اس کو چاہتے ہیں۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا انکار کیا ہے کہ جس کو چاہتا ہے وہ گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہدایت دیتا ہے۔ حقیقت میں انہوں نے ایک اور خالق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثابت کیا ہے اور ان کو امت مسلمہ کے مجوسی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں حدیث وارد ہے بے شک وہ اس امت کے مجوسی ہیں اور ان کو قدریہ نفی کرنے والا کہا جاتا ہے اور ان کا مذہب باطل ہے۔

اہل سنت والجماعت نے ثابت کیا ہے بے شک بندے حقیقت میں اپنے کاموں کے فاعل ہیں بے شک ان کے افعال (کام) ان کی طرف حقیقت میں منسوب ہوتے ہیں نہ کہ مجازی طور پر، اور اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور ان کے افعال کا بھی خالق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (۳۷/ الصّٰفّٰت:۹۶)

''اللہ تعالیٰ نے تم کو اور جو تم عمل کرتے ہو پیدا کیا ہے۔''

اور انہوں نے ان بندوں کے لیے مشیت واختیار ثابت کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے تابع ہونے والے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ

الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۸۱/ التکویر:۲۸۔۲۹)

''جو تم میں سے چاہے سیدھے رستے پر چلے تم کچھ نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہتا ہے۔''

قدریہ کی وعید اور مرجئہ کے مقابل میں اہل سنت کا میانہ روی اختیار کرنا

سوال نمبر: ۱۵۵ قدریہ کی وعید اور مرجئہ کے تقابل میں اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی وعیدوں کے باب میں کیسے میانہ روی اختیار کی ہے وضاحت کریں جو جامع اور مانع ہو؟

جواب مرجئہ منسوب ہیں ارجاء کی طرف۔ کیونکہ انہوں نے اعمال کو ایمان سے مؤخر کیا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے گمان کیا ہے یقیناً کبیرہ گناہ کا مرتکب غیر فاسق ہے اور انہوں نے کہا کہ گناہ ایمان کو نقصان نہیں دیتا ہے، جس طرح اطاعت کفر کے ساتھ نفع نہیں دیتی ہے۔ ان کے ہاں اعمال ایمان کے نام میں داخل نہیں ہیں اور بے شک ایمان کے اجزاء نہیں ہیں اور کبیرہ گناہ کا مرتکب کامل ایمان والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وعیدوں میں شامل نہیں ہوگا۔ کتاب وسنت کے دلائل کی بنیاد پر ان کا مذہب باطل ہے۔ رہی وعید جو قدریوں میں ہے (اللہ تعالیٰ کی وعیدوں کا انکار کرنے والے) پس وہ وعیدوں کے نفاذ کے بارے میں کہتے ہیں کہ بے شک کبیرہ گناہ کرنے والا جب فوت ہو جائے اور اس نے ان گناہوں سے توبہ نہیں کی تو وہ ہمیشہ کے لیے دوزخی ہے۔ یہ اصول معتزلہ کا ہے اور خوارج بھی اسی کے قائل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی ہے نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اگر اس آدمی کے متعلق جس کو آگ کا وعدہ دیا گیا ہے یہ کہا جائے کہ وہ اس میں داخل نہیں ہوگا تو یہ حقیقت میں اللہ کی خبر کو جھٹلانا ہے۔

اور اہل سنت نے اس مسئلہ میں میانہ روی اختیار کی ہے پس انہوں نے کہا بے شک کبیرہ گناہ کرنے والا ناقص ایمان والا ہے گنہگار ہے اور وہ اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کرنے والا ہے اور اگر وہ توبہ کے بغیر مر جائے تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے اس سے درگزر کرے اور جنت میں داخل کر دے اور اگر چاہے اس کے گناہوں کے مطابق اسے سزا دے لیکن وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔ بلکہ گناہوں اور معاصی سے پاک کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی سفارش اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ اس کو نکال لیا جائے گا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

(٤/ النساء:١١٦)

"بے شک اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ شرک کرنے کو نہیں بخشے گا اس کے علاوہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔"

اہل سنت کا قول ہے کہ سزا دینے کے خلاف کرنا اچھا ہے اور اس کی تعریف کی جائے گی جبکہ وعدہ خلافی اچھا عمل نہیں ہے۔

دین اور ایمان کے نام

سوال نمبر: ۱۵٦ احکام اور دین کے ناموں سے کیا مراد ہے؟

جواب اس سے مراد مثلاً مومن، کافر، مسلم، فاسق ہے اور احکام سے مراد ان لوگوں کے اس دنیا اور آخرت کے احکامات ہیں۔ اسماء اور احکام کا وہ پہلا مسئلہ ہے جس کے بارے میں اسلام کے اندر مختلف گرہوں کے درمیان نزاع واقع ہوا ہے۔

دین اور ایمان، ان ناموں میں اہل سنت کی میانہ راوی

سوال نمبر: ۱۵۷ حروریہ معتزلہ اور مرجئہ جہمیہ کے مقابلہ میں دین اور ایمان کے ناموں کے باب میں اہل سنت نے کیسے میانہ روی اختیار کی ہے؟۔

جواب حروریہ وہی خوارج ہی ہیں۔ انہوں نے یہ نام کوفہ کے قریب ایک بستی کی

نسبت سے رکھا اور اس بستی کو حروراء کہا جاتا ہے۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اس بستی میں جمع ہوئے تھے۔

معتزلہ نے واصل بن عطاء کی اتباع کی ہے اور وہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے الگ ہوا تھا۔ معتزلہ اور خوارج اس آدمی کو ہی مومن کہتے ہیں جو واجبات کو ادا کرتا ہے اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے۔ وہ کہتے ہیں دین اور ایمان در حقیقت قول، عمل اور عقیدے کا نام ہے لیکن نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم۔ پس جس آدمی نے کبیرہ گناہ کیا جس طرح قتل کرنا، لواطت اور پاک دامن عورتوں پر الزام لگانا وغیرہ تو وہ کافر ہے۔ معتزلہ کے نزدیک کبیرہ گناہ کرنے والا فاسق ہو جاتا ہے دو منزلوں میں سے ایک منزلت میں ہے نہ وہ مومن ہے اور نہ کافر ہے۔ مرجئہ کے مذہب کا بیان گزر گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ معصیت ایمان کو نقصان نہیں دیتی ہے، اور بے شک ان کے نزدیک ایمان خالی تصدیق کا نام ہے اور جو کبیرہ گناہ کرتا ہے وہ کامل ایمان والا ہے اور وہ جہنم کے داخلے کا مستحق نہیں ہے۔ جہمیہ کے نزدیک بے شک ایمان خالی معرفت کا نام ہے اور اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ پس فاسق لوگوں کا ایمان، کامل ایمان والے لوگوں کی طرح ہے اور وہ کہتے ہیں معصیت ایمان کو نقصان نہیں دیتی ہے۔

اہل سنت کے نزدیک ایمان کی تعریف زبان سے اقرار، دل سے اعتقاد اور ارکان کے ساتھ عمل کا نام ہے، اطاعت کے ساتھ زیادہ اور معصیت سے کم ہوتا ہے۔ جو شخص کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو وہ ان کے نزدیک ناقص ایمان والا ہے دوسری عبارت میں وہ ایمان لانے والا ہے اپنے ایمان کے ساتھ اور فاسق ہے اپنے کبیرہ گناہ کے ساتھ اور آخرت میں اس کا معاملہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگا اگر اللہ تعالیٰ چاہے اس کو معاف کر دے اور جنت میں داخل کر دے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کے گناہوں کے مطابق عذاب دے اور گناہوں سے پاک کرنے کے بعد اس کو جنت میں جگہ دے گا۔ ان کے متعلق شاعر کہتا ہے۔

ولم یبق فی نار الجحیم ولو قتل النفس تعمدا

"کوئی موحد جہنم میں باقی نہیں رہے گا اگرچہ اس نے جان بوجھ کر کسی کو بے گناہ قتل کیا ہو۔"

رافضیوں اور خوارج کے مابین صحابہ کے متعلق اہل سنت کی میانہ روی

سوال نمبر: ۱۵۸ روافض اور خوارج کے مقابلہ میں اہل سنت نے اصحاب رسول ﷺ کے بارے میں کیسے میانہ روی اختیار کی؟

جواب رافضی، امیر المومنین حضرت علی اور اہل بیت کے بارے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے بغاوت کو جمہور صحابہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) سے بھی عداوت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ان کا اور ان لوگوں کا انکار کیا ہے جو ان کے والی بنے ہیں اور انہوں نے کہا ولایت (ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) سے بری ہونے کا نام ہے۔ اور کوئی اسی وقت تک (علی رضی اللہ عنہ) کا والی نہیں ہوسکتا یہاں تک (ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) سے لاتعلقی کا اظہار کرے۔ انہوں نے ان کو کافر قرار دیا ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شیعوں سے لڑائی کی ان کے مطابق علی رضی اللہ عنہ معصوم امام ہیں۔ انہوں نے زید بن حسین کو اکیلا چھوڑ دیا اور ان سے الگ ہوئے تھے جب رافضیوں نے انہیں کہا کہ آپ ابوبکر عمر سے لاتعلقی کا اظہار کریں اور الگ ہوجائیں تو زید بن علی نے کہا اللہ تعالیٰ کی پناہ وہ تو میرے نانا محمد ﷺ کے خلیفہ ہیں پس انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور اس سے الگ ہوگئے۔ اس لیے ان کا یہ نام رکھا گیا اس سے زیدیہ بری ہوتے ہیں جو ان دونوں ابوبکر، عمر سے بری ہوتا ہے وہ زید کے ساتھ نکلے پس ان کا نام زیدیہ رکھا گیا۔ اور رہے خوارج یہ وہ لوگ ہیں جو تحکیم کے مسئلہ پر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نکلے اور ان سے جدا ہوگئے اس سبب کے ساتھ (یعنی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے) یہ بارہ ہزار تھے ان کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ انہوں نے ان سے گفتگو کی اور ان کو سمجھایا پس ان میں سے بعض واپس لوٹ آئے اور

باقیوں نے مخالفت پر اصرار کیا۔ یہ وہ جماعت ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت سے تحکیم کے معاملہ میں (یعنی حاکم ہونے کے بارے میں کہ حکم صرف اللہ ہی کا ہے) الگ ہوئے کہ اگر وہ اس تحکیم کو نافذ کرے تو ہم اس خلاف کھڑے ہوں گے۔ پھر انہوں نے فرقے کا اعلان کیا۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمرق مارقة على بن حسين فرقه من المسلين بقتلها اولى الطائفتين بالحق

اورخوارج ان کی ضد ہیں۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو کافر قرار دیا۔

اہل سنت والجماعت رافضہ کے غلو اور خوارج کے ظلم کے مابین میانہ روی اختیار کرتے ہیں پس انہوں نے سب والیوں کو اور ان کی صحبت کو ہدایت یافتہ قرار دیا ہے اور انہوں نے ہر ایک کے حق اور فضائل کو پہچان لیا کہ وہ اس امت میں کامل اسلام، ایمان، علم، اور حکمت والے ہیں۔ اور انہوں نے ان کو ان کے صحیح مقام و مرتبہ پر اتارا ہے اور اس وجہ سے ان کی میانہ روی ظاہر ہوتی ہے۔

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوائد

سوال نمبر: ۱۵۹ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے متعلق کچھ بیان کریں اور بتائیں کہ ان کی بابت ہم پر کیا فرض اور اس کی دلیل ذکر کریں؟

جواب سنت قرآن کی تفسیر اور وضاحت کرتی ہے اور اس پر دلالت کرتی ہے اور اس کی مخالفت نہیں کرتی بے شک اس کو اس ذات نے اتارا جس نے قرآن کو اتارا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (٤/ النساء:١١٣)

''اور اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اور حکمت اتاری۔''

اور حدیث میں اس حکمت کو سنت کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾ (٥٣/ النجم:٣، ٤)

''اور وہ (پیغمبر) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا۔ اس کی بات وحی سے ہے جو اس پر کی جاتی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ ﴾ (٤٦/ الحاقة:٤٤ تا ٤٦)

''تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ ﴾ (٥٩/ الحشر:٧)

''اور جو تمہیں رسول دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔''

اور فرمایا:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ ﴾ (٢٤/ النور:٦٣)

''پھر جو لوگ پیغمبر کا حکم نہیں مانتے ان کو ڈرنا چاہیے۔''

سنت رسول اسلام کے مصادر میں سے دوسرا مصدر ہے وہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت اور صحیح منقول ہیں۔ ان احادیث میں سے جن کا ہم نے مشاہدہ کیا یا جو ہم سے غائب ہیں ہم جانتے ہیں یقیناً وہ حق اور سچ ہے۔

آخرت پر ایمان

سوال نمبر: ١٦٠ آخرت پر ایمان کیا ہے؟

جواب ایمان لانا ہر اس چیز پر جس کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے اور وہ موت کے بعد ہوں گی مثلاً قبر کا امتحان، اس کے عذاب اور اس کی نعمتیں، بعثت، نشر، حشر صحف، ترازو، حساب، صراط، حوض، شفاعت اور احوال جنت اور دوزخ وغیرہ اور ان چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ نے تیار کی ہیں جو ان کے اہل کے لیے ہوں گی، مجمل اور مفصل دونوں طرح ایمان لانا۔

قبر کی آزمائش

سوال نمبر: ۱۶۱ قبر کے فتنہ سے کیا مراد ہے؟

جواب اس سے مراد (قبر کے اندر سوال و جواب ہیں) اس بارے میں کئی احادیث وارد ہیں کہ بے شک لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جائیں گے۔ ہر آدمی سے پوچھا جائے گا تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟

﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ﴾

(۱۴/ ابراھیم:۲۷)

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بات یعنی کلمہ شہادت پر دنیا کی زندگی میں قائم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔''

پس مومن کہے گا میرا رب اللہ ہے میرا دین اسلام ہے اور محمد ﷺ میرے رسول ہیں اور جو شک کرنے والا ہے پس وہ کہے گا ہائے افسوس میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں سے سنا ہے وہ کچھ کہتے تھے۔ پس فرشتہ لوہے کے ہتھوڑے کے ساتھ اس کو مارے گا جس پر وہ زور سے چیخے گا اس کی چیخ انسان کے علاوہ ہر چیز سنے گی۔ اور اگر انسان اس کو سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔

((فی الصحیحین من حدیث البراء رضی اللہ عنہ عن النبی قال فی قوله تعالی: ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ﴾ نزلت فی عذاب القبر (بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر: ۱۳۶۹) زاد مسلم فیقال له من ربك...... الخ (مسلم: ۲۸۷۱) وعند ابی داؤد یاتیه ملكان فیجلسانه فیقولان له من ربك فیقول ربی الله فیقولان له ما دینك فیقول دینی الاسلام، فیقولان له: ما هذا الرجل الذي بعث فیکم هو رسول الله ﷺ فیقولان له وما یدریك فیقول قرأت کتاب الله تعالیٰ فامنت به وصدقت فینادی مناد ان قد صدق عبدی فافرشوه من الجنة وافتحوا له بابا الی الجنة والبسوه من الجنة ویفصح له مد بصره وقال فی

الکافر فیاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربك فیقول هاه هاه لا ادری الی ان قال فینادی مناد من السماء ان کذب عبدی فافرشوه من النار وافتحوا له بابا الی النار فیاتیه من حرها وسمومها ویضیق علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه)) [1]

براء بن عازب روایت کرتے ہیں کہ آپ اس آیت ﴿ یُثَبِّتُ اللّٰہُ...... ﴾ فرمایا یہ عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ مسلم میں ہے کہ مرنے والے سے کہا جاتا ہے تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرے رسول محمد ﷺ یہی تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ﴿ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ ابوداؤد میں ہے کہ ''اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اس کو بٹھا لیتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ اور وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ وہ کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ وہ کہتے ہیں تو اس آدمی کے بارے میں کیا جانتا ہے جو تمہاری طرف بھیجا گیا وہ کہتا وہ تو اللہ کا رسول ﷺ ہے وہ کہتے ہیں تمہیں یہ سب کیسے پتہ چلا ہے وہ کہتا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھا۔ میں اس پر ایمان لے آیا اور اس کی تصدیق کر دی۔ اتنے میں ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے میرے بندے نے سچ کہا اس کے لیے جنت سے ایک فرش بچھا دو اور جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو۔ اور تا حد نگاہ اس کے لیے دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور کافر کے متعلق کہا: اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اس کو بیٹھا لیتے ہیں اس کو کہتے ہیں تمہارا رب کون ہے۔ وہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں، اتنے میں آسمان سے آواز آتی ہے میرے بندے نے جھوٹ بولا ہے اس کے لیے آگ کا بستر بنا دو۔ اور آگ کی طرف اس کا دروازہ کھول دو ہر وقت اس کی گرمی اور دھواں پہنچتا رہتا ہے اس پر اس کی قبر تنگ ہو جاتی ہے حتی کہ اس کی ہڈیاں ایک دوسری میں داخل ہو جاتی ہیں۔''

عذاب قبر اور اس کی نعمتیں

سوال نمبر: ۱۶۴ قبر اور اس کی نعمتوں پر کیا دلیل ہے؟

---

[1] ابو داود، کتاب السنة، باب فی المسألة فی القبر: ٤٧٥٣۔

جواب قولہ تعالیٰ:

﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝﴾ (٤٠/ مومن:٤٦)

''لیکن صبح اور شام ان کو (دوزخ کی) آگ دکھائی جاتی ہے اور جس دن قیامت برپا ہوگی آل فرعون (وہ اور اس کے ساتھیوں) کو سخت عذاب میں لے جاؤ۔''

قولہ تعالیٰ:

﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ﴾ (٦/ الانعام:٩٢)

''کاش تو ان ظالموں کو اس وقت دیکھے جب موت کی سختیوں (سکرات) میں پڑے ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے کہہ رہے ہوں گے اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا ملے گی۔''

﴿ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

(٥٢/ الطور:٤٧)

''بے شک ظالموں کے لیے اس کے علاوہ اور عذاب بھی ہیں لیکن ان لوگوں میں سے اکثر بے علم ہیں۔''

﴿ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝﴾

(٥٢/ سجدہ:٢١)

''ہم ان (فاسقوں) کو بڑے عذاب (آخرت کے عذاب) سے ادھر ہی ایک چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ یہ اپنے گناہوں سے پھریں۔''

((وفی الصحیحین عن عائشه رضی اللہ عنہا انها سالت رسول الله ﷺ عن عذاب القبر و قال نعم، عذاب القبر حق، (نسائی، کتاب السهو، ١٣٠٨) و قال استعیذوا بالله من عذاب القبر و قال اذا تشهد احدکم فلیستعذ بالله من اربع و ذکر منها عذاب القبر

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب ما یستعاذ منه: ٥٨٨) وفی الصحیحین ان النبی ﷺ قال لقد اوحی الی انکم تفتنون فی قبورکم مثل او قریب من فتنة المسیح الدجال، (بخاری، کتاب الوضوء، باب من لم یتوضأ...... ١٨٤) وفی الصحیحین عن ابی ایوب قال خرج الینا رسول اللہ ﷺ وقد وجبت الشمس فسمع صوتا فقال یهود تعذب فی قبورها، (بخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر: ١٤٧٥) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مر النبی ﷺ بقبرین فقال انهما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی، انهٗ کبیر اما احدهما فکان لا یستبرئ من البول فأما الآخر فکان یمشی بالنمیمة (بخاری، کتاب الوضوء، باب من الکبائر...... ٢١٦) "فی حدیث انس" تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر من البول، رواه الدارقطنی، وورد ان رجلا غل شملة من المغنم فجاء سهم عائره فاما به فقتله فقال الناس هنیئا لهٗ الجنة فقال رسول اللہ ﷺ کلا والذی نفسی بیده ان الشملة التی آخذها یوم خیبر من المغانم التی لم تصبها المقاسم لتشتعل علیه نارًا)) [1]

﴿ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ ﴾ (٤٠/ المومن:٤٦)

"ان کو صبح اور شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔"

صحیحین میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عذاب قبر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عذاب قبر سے پناہ مانگو اور فرمایا تشہد میں چار فتنوں سے پناہ مانگا کرو۔ صحیحین میں ہی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تم عنقریب اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے اور فرمایا یہودیوں کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ دو

---

[1] بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب هل یدخل فی الأیمان: ٦٧٠٧۔

قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا ان کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ میں نہیں ہو رہا بلکہ ان میں سے ایک چغل خور تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے مال غنیمت سے چادر چرا لی۔ اسے ایک نامعلوم تیر لگا اور وہ قتل ہو گیا۔ لوگوں نے کہا یہ جنتی ہے (کیونکہ شہید ہے) آپ نے فرمایا اس نے خیبر کے دن جو چادر چرائی تھی وہ اس پر آگ بن کر شعلے مار رہی ہے۔

سوال نمبر: ۱۶۳ قبر کی مدت کے ختم ہونے پر کیا ہوگا؟۔

جواب قیامت کبریٰ قائم ہوگی۔ پس روحیں جسموں کی طرف لوٹا دی جائیں گی۔ وہ روحیں جنہوں نے دنیا میں جسموں کی تعمیل کی۔ یہ قیامت ہے جس کی اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی زبان پر خبر دی اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ پس لوگ اپنی قبروں سے اللہ رب العالمین کے لیے ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنے کیے ہوئے کھڑے ہوں گے۔ اور ان کے قریب سورج ہوگا۔

سوال نمبر: ۱۶۴ کیا قبر کا عذاب یا اس کی نعمتیں روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوں گی اور کیا قبر کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہوگا یا ختم ہو جائے گا؟ اس مسئلہ کو تفصیل سے واضح کریں۔

جواب روح اور جسم دونوں قبر کے عذاب سے دوچار ہوں گے یا دونوں ہی اس کی نعمتوں سے فیضیاب ہوں گے۔ روح جسم انسانی سے الگ ہونے کے بعد عذاب سے دوچار رہتی ہے یا پھر نعمتوں سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ اور جب کبھی یہ انسانی بدن کے ساتھ ملتی ہے تو پھر ان دونوں کو عذاب یا نعمتیں ملتی ہیں اور قبر میں عذاب یا انعام کی دو قسمیں ہیں۔

① ایک وہ عذاب یا نعمتیں ہوں گی جو دائمی ہوں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ﴾ (٤٠/ المؤمن:٤٦)

”وہ آگ پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں۔“

② عذاب و انعام کی دوسری قسم وہ ہے جس کے لیے ایک مدت متعین ہے پھر اس کا

سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ خطار کار لوگ جن کے جرائم ذرا ہلکے ہوں گے انہیں ان کے گناہوں کے حساب سے عذاب ہوگا پھر یہ سلسلہ ختم کر دیا جائے گا۔

قیامت کبریٰ

سوال نمبر: ۱۶۴ عالم برزخ کی مدت ختم ہونے کے بعد کیا ہوگا؟

جواب قیامت کبریٰ قائم ہوگی وہ روحیں جن کے ذریعے دنیا آباد ہوئی تھی آج انسانی جسموں میں واپس لوٹائی جائیں گی اور یہی وہ قیامت ہے جس کی خبر اللہ نے اپنی کتاب میں دی ہے اور اپنے پیغمبر کی زبان سے بھی اس کی ہولناکیوں کے تذکرے کیے ہیں۔ اس کے قیام پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے۔ پھر لوگ قبروں سے اٹھیں گے ننگے پاؤں، ننگے جسم اور بغیر ختنہ کے، جہانوں کے رب کے دربار میں حاضر ہوں گے، سورج انتہائی قریب ہوگا اور شدت گرمی سے پسینہ منہ تک آجائے گا۔

ترازو

سوال نمبر: ۱۶۵ میزان کیا ہے؟ کیا وہ حقیقی ہوگا؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ اور کس چیز کا وزن ہوگا؟ انسانی اعمال کا یا خود انسانوں کا یا ان دونوں کا تفصیل بیان کریں؟

جواب میزان حقیقی ہوگا، اس کے دو پلڑے ہوں گے، اس میں بندوں کے اعمال تو لے جائیں گے اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ (۲۱/ الانبیاء:۴۷)

"قیامت کے دن ہم انصاف کے ترازو رکھیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝﴾ (۲۳/ المومنون:۱۰۲ _۱۰۳)

”جن کے پلڑے بھاری ہوں گے، وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔“

اور فرمایا:

﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ﴾ (۷/ الاعراف:۸۔۹)

”اور وزن اس دن مبنی برحق ہوگا، جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاں پائیں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے، وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: نیکیوں کا وزن ایک خوبصورت اور حسین شکل میں کیا جائے گا اور بدیوں کا انتہائی بدترین شکل میں۔

صحیح بخاری میں ہے:

((إِنَّ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ غيابتان او فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَّافٍ)) [1]

”کہ سورۃ البقرۃ اور آل عمران قیامت کے دن دو بڑے بڑے بادلوں کی صورت میں آئیں گی یا پر کھولے ہوئے پرندوں کی دو ٹولیوں کی شکل میں نمودار ہوں گی۔“

اور قرآن کریم کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ وہ صاحب قرآن یا حافظ قرآن کے پاس ایک سرخ رو نوجوان کی شکل میں آئے گا۔

سوالِ قبر والی حدیث کے ضمن میں یہ ذکر ہوا ہے کہ مومن شخص کے پاس ایک خوبصورت نوجوان آئے گا وہ پوچھے گا: آپ کون ہیں؟ وہ جواب دے گا میں تیرا نیک عمل ہوں اسی طرح کافر اور منافق کے بارے میں بھی ذکر ہوا ہے کہ اس کا عمل ایک بدصورت نوجوان کی شکل میں آئے گا۔

---

[1] مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قرأۃ القرآن: ۸۰۴۔

اعمال کے وزن کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ صحیفہ اعمال کا وزن ہوگا اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک پلڑے میں کاغذ کا ایک ٹکڑا رکھا جائے گا جس پر لا الہ الا اللہ رقم ہوگا اور دوسرے پلڑے میں باقی سارے اعمال صالحہ لیکن لا الہ الا اللہ کے ٹکڑے والا پلڑا جھک جائے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صاحب عمل کا وزن ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ روز قیامت ایک بھاری بھرکم شخص کو لایا جائے گا لیکن اللہ کے نزدیک اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

﴿ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴾ (۱۸/ الکهف:۱۰۵)

''ہم روز قیامت ان کا کوئی وزن نہیں کریں گے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا تذکرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم (اے صحابہ) اس کی باریک پنڈلیوں پر تعجب کرتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میزان میں ان کا وزن احد پہاڑ سے زیادہ بھاری ہوگا۔'' [1]

ان تمام اقوال میں پہلا قول زیادہ راجح ہے اور بعض نے ان تمام اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے یہ رائے اختیار کی ہے کہ کسی کے اعمال کا وزن ہوگا تو کسی کے اعمال کے دفاتر (رجسٹروں) کا اور خود صاحب اعمال کا وزن بھی ہوگا۔

سوال نمبر: ۱۶۶ کیا وزن کے لیے ترازو ایک ہوگا یا متعدد۔ اگر ایک ہوگا تو پھر قرآن میں جمع کے ساتھ موازین کیوں ذکر کیا ہوا ہے؟

جواب بعض کے نزدیک تمام امتوں اور تمام اعمال کے لیے ایک ہی ترازو ہوگا اور اس کو متعدد اعمال اور اشخاص بناء پر جمع ذکر کیا گیا ہے۔ یا پھر میزان کی عظمت کے اظہار کے لیے اس کو جمع ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی ایک مثال اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴾ (۲۶/ الشعراء:۱۰۵)

''کہ قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی حالانکہ ان کی طرف صرف ایک ہی

---

[1] المعجم الکبیر: ۸۴۵۲۔

رسول مبعوث ہوا تھا۔“

اور بعض کہتے ہیں کہ ترازو ایک ہی نہیں بلکہ متعدد ہوں گے۔

اور ہر شخص کے لیے الگ الگ ترازو ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ ﴾ (۲۱/ الانبیاء:٤٧)

”(قیامت کے دن) ہم ترازو رکھیں گے۔“

اعمال کے دفتر (رجسٹر)

سوال نمبر: ۱٦٧ دواوین کیا ہیں اور ان کے کھلنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب یہ انسانوں کے اعمال کے صحیفے ہوں گے، اور ”نشر“ (کھلنا) سے مراد یہ ہے کہ روز قیامت ہر شخص کا نامہ اعمال اس کے سامنے کھول دیا جائے گا پھر کوئی شخص اسے اپنے دائیں ہاتھ سے اٹھائے ہو گا اور کوئی بائیں ہاتھ سے اور کوئی کمر کے پیچھے سے پکڑے ہوئے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴾ (٦٩/ الحاقة:١٩)

”جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا لو دیکھو! پڑھو، میرا اعمال نامہ......“

اور فرمایا:

﴿ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ ﴾

(۱۷/ بنی اسرائیل:١٤)

”ہر انسان کا شگون (نصیب) ہم نے اس کے اپنے گلے میں لٹکا رکھا ہے اور قیامت کے روز ہم ایک نوشتہ اس کے لیے نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ پڑھ اپنا اعمال نامہ آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴾ (۸۱/ التکویر:۱۰)

''اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۝ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝ ﴾ (۸۴/ الانشقاق:۷ تا ۱۲)

''پھر جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے اہل کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔ اور رہا وہ شخص جس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔''

حساب

سوال نمبر: ۱۶۸ حساب کیا ہے اور اس کے برحق ہونے کی کیا دلیل ہے؟

جواب حساب و کتاب سے مراد اللہ تعالیٰ کا بندوں کو ان کے اچھے اور برے اعمال کی خبر دینے کے لیے میدان لگانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ﴾
(۵۸/ المجادلہ:۶)

''جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کیے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا جسے اللہ نے شمار کیا ہے اور یہ بھول گئے تھے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ﴾ (۱۵/ الحجر:۹۲-۹۳)

''قسم ہے تیرے پالنے والے کی! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے ہر چیز کی جو وہ کرتے تھے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴾ (۸۴/ الانشقاق:۸)

''اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا۔''

اور فرمایا:

﴿ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ﴾ (۱۸/ الکهف:۴۹)

''اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم وستم نہیں کرے گا۔''

اور فرمایا:

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ﴾ (۳/ آل عمران:۳۰)

''جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکیوں کو موجود پائے گا۔''

پس اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا حساب لیں گے۔ اللہ تعالیٰ مومن بندوں سے بھی پوچھیں گے۔

امام ترمذی ابی برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''کسی آدمی کے قدم اس وقت تک ہل نہیں سکیں گے حتیٰ کہ اس سے اس کی عمر کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اسے کن کاموں میں فنا کیا۔ اور علم کے متعلق کہ اس پر کہاں تک عمل کیا اور مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کس جگہ خرچ کیا اور جسم کو کن کاموں میں استعمال کیا۔'' [1]

سوال نمبر: ۱۶۹ کیا مومن اور کافر کے حساب میں کچھ فرق ہے؟

جواب ہاں مومن کی تو نیکیاں اور برائیاں تولی جائیں گی جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب آ گئیں وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور جس کی نیکیاں ہلکی پڑ گئیں اور اس کی برائیاں نیکیوں پر غالب آ گئیں تو وہ آگ میں داخل ہوگا اور جس کی نیکیاں

---

[1] ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ماجاء فی شان الحساب: ۲۴۱۶۔

اور برائیاں برابر ہوئیں وہ اصحاب اعراف میں سے ہوگا۔
البتہ کافروں کی بدیاں اور نیکیاں تولے جانے کا تصور ہی نہیں ہے کیونکہ کافروں کی تو نیکیاں ہی نہیں ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان کے اعمال شمار کیے جائیں گے۔ ان کو حساب وکتاب کے لیے روکا جائے گا۔ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف بھی کریں گے اور اقرار بھی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ﴾ (۱۳/ الرعد:۱۸)

''یہی ہیں جن کے لیے برا حساب ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا ﴾ (۲۵/ الفرقان:۲۳)

''اور انہوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا۔''

اور فرمایا:

﴿ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴾ (۱۸/ الکھف:۱۰۵)

''پس ہم قیامت کے دن ان کا کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اعمال کے متعلق فرمایا:

﴿ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ﴾ (۱٤/ ابراھیم:۱۸)

''مثل اس راکھ کے ہیں جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے۔''

اور کہا:

﴿ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا ﴾
(۲٤/ النور:۳۹)

''مثل اس چمکتی ہوئی ریت کے ہیں جو چٹیل میدان میں ہو جسے پیاسا شخص دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا۔''

حوض

سوال نمبر: ۱۷۰ حوض پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ جس پر لوگ وارد ہوں گے اپنے جواب کو دلیل سے مزین کریں اور بتائیں یہ حوض کہاں ہوگا؟ اس کی لمبائی، چوڑائی، اوصاف اور اس کے برتنوں کی تعداد ذکر کریں۔ نیز بتائیں اس پر کون لوگ وارد ہوں گے اور کیا اس کا پانی ایک دفعہ پینے کے بعد پیاس محسوس ہوگی؟۔ اور کیا اس حوض سے کسی کو روکا جائے گا اس کی مکمل وضاحت کریں؟

جواب حوض پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے اہل حق کی اس بات کی مکمل تصدیق کی جائے کہ نبی کریم ﷺ کے لیے قیامت کے میدان میں ایک حوض ہوگا۔ جس پر نبی ﷺ کی امت حاضر ہوگی۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس کے پیالے آسمان کے تاروں جتنے ہوں گے۔ اس کی لمبائی اور چوڑائی ایک مہینہ کی مسافت کے برابر ہوگی۔ جو کوئی اس سے ایک دفعہ پانی پی لے گا اس کے بعد اسے کبھی بھی پیاس محسوس نہ ہوگی۔ امام بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت کے بقدر لمبا ہوگا اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا اس کی خوشبو مشک سے زیادہ پیاری ہوگی۔ اس کے آبخورے آسمان کے ستاروں کی طرح ہوں گے جو کوئی ایک دفعہ اس سے پانی پی لے گا اسے کبھی بھی پیاس نہیں لگے گی۔'' [1] صحیح مسلم میں ہے کہ ''میرے حوض پر مختلف گروہ آئیں گے ان میں سے بعض کو روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا یہ تو میری امت ہے پس مجھے کہا جائے گا آپ کو پتہ نہیں جو کچھ انہوں نے آپ کے بعد ایجاد کر ڈالا تھا میں کہوں گا انہیں دور لے جاؤ۔'' [2]

سوال نمبر: ۱۷۱ کیا یہ حوض نبی کریم ﷺ کے لیے خاص ہوگا یا پھر ہر نبی کے لیے

---

[1] بخاري، كتاب الرقاق، باب في الحوض: ٦٥٧٩۔

[2] مسلم، كتاب الفضائل، باب اثبات حوض: ٢٢٩٥۔

حوض ہوگا؟

جواب بڑا حوض خاص نبی کریم ﷺ کے لیے ہوگا اس میں کوئی اور نبی شریک نہیں ہوگا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ ''ہر نبی کے لیے حوض ہوگا وہ ایک دوسرے پر فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ لوگ حاضر ہوتے ہیں اور مجھے یہ امید ہے کہ میرے حوض پر اکثر لوگ وارد ہوں گے۔''

صراط

سوال نمبر: ۱۷۲ صراط کسے کہتے ہیں یہ کس جگہ پر ہوگی۔ اس پر ایمان رکھنے کا کیا مطلب ہے۔ اس پر سے گزرنے کی کیفیت کیا ہوگی اس کے بعد کیا ہوگا اس پر سے گزرنے والوں کو جنت میں داخلہ نصیب ہوگا؟

جواب یہ ایسا پل ہے جو جہنم اور جنت اور آگ کے درمیان رکھا ہوا ہے۔ اس پر سے لوگ اپنے اعمال کے بقدر گزریں گے۔ ان میں سے بعض لوگ تو وہ ہوں گے جو آنکھ جھپکنے کی طرح گزریں گے، بعض لوگ بجلی کی طرح، بعض لوگ ہوا کی طرح۔ بعض لوگ تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض لوگ اونٹ سوار کی طرح، بعض لوگ دوڑتے ہوئے بعض لوگ چلتے ہوئے، بعض رینگتے ہوئے گزریں گے اور بعض وہ ہوں گے جن کو یہ پل اچک لے گا اور انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

بے شک اس پل پر کانٹے ہوں گے لوگ اپنے اعمال کی بنیاد پر ان کے ذریعے اچک لیے جائیں گے۔ جو کوئی اس پل پر سے گزر جائے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ جب لوگ اس پر سے گزر جائیں گے تو انہیں جنت اور جہنم کے درمیان روکا جائے گا جہاں ایک دوسرے سے بدلہ لیں گے، جب ان کی صفائی اور تہذیب ہو جائے گی تو وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس پر ایمان رکھنا واجب ہے۔

شفاعت

سوال نمبر: ۱۷۳ شفاعت کیا ہے۔ عام خاص لوگوں کے اعتبار سے اس کی کتنی

قسمیں ہیں اور باطل فرقوں میں سے کس نے اس کا انکار کیا ہے؟

جواب شفاعت کے لغوی معانی وسیلہ اور طلب کے ہیں اور بعض علماء نے اس کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے۔ ''کسی دوسرے کے لیے بھلائی کا سوال کرنا۔'' بعض لوگوں نے کہا اس سے مراد گناہوں کی بخشش کا سوال کرنا ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدہ واسطیہ کے اندر اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ دو شفاعتیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔

پہلی سفارش تو وہ ہے جسے شفاعت کبریٰ (بڑی شفاعت) کہتے ہیں یہ لوگوں کے حساب و کتاب کے لیے ہوگی جب کہ تمام انبیاء اس سفارش سے معذرت کر لیں گے جیسا کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت نوح اور حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور اسے مقام محمود بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہی لوگوں کا حساب و کتاب ہوگا۔

دوسری سفارش اہل جنت کے بارے میں ہوگی تاکہ انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے۔

تیسری سفارش جو آپ ﷺ اور دیگر انبیاء کے لیے ہوگی اس طرح صدیقین اور دوسرے لوگ بھی اس کا حق رکھیں گے...... یہ وہ سفارش ہے جس کا معتزلہ اور خوارج نے انکار کیا ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہوگی جن کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہوگا تاکہ وہ اس سے بچ جائیں یا پھر جو داخل ہو چکے ہیں ان کو اس سے نکال لیا جائے۔ بعض لوگوں نے چھ کے قریب اور بعض نے سات کے قریب قسمیں بیان کی ہیں۔

سوال نمبر: ۱۷۴ مثبت اور منفی شفاعت کسے کہتے ہیں اور مثبت شفاعت کی شروط کیا ہیں؟

جواب مثبت سفارش وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر مثبت قرار دیا ہے یہ اہل اخلاص (توحید) کے لیے ہوگی اس کی دو شرطیں ہیں پہلی شرط سفارش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارش کرنے کی اجازت ہے۔ دوسری شرط جس کے لیے سفارش کی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ

اللّٰہُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی﴾ (۵۳/ النجم:۲٦)

''اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دے دے۔''

اور فرمایا:

﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۱۰۹)

''اس دن سفارش کچھ کام نہ دے گی مگر جسے رحمان حکم دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔''

اور فرمایا:

﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ (۷۸/ النبا:۳۸)

''مگر جسے رحمان اجازت دے دے اور وہ ٹھیک بات زبان سے نکالے۔''

منفی سفارش سے مراد وہ سفارش جو غیر اللہ کی طرف سے ہو یا پھر اللہ کی اجازت کے بغیر ہو یا پھر اہل شرک کے لیے ہو۔

شفاعت اور لوگوں کی اقسام

سوال نمبر: ۱۷۵ شفاعت کے ثبوت کے لحاظ سے لوگوں کی کتنی قسمیں ہیں۔

جواب سفارش کے متعلق لوگ دو انتہاؤں اور وسطی راہ میں منقسم ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو سفارش کا انکار کرتے ہیں۔ یہ خوارج اور معتزلہ ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ لوگ کبیرہ گناہ کے مرتکب افراد کے لیے آپ ﷺ کی سفارش کا انکار کرتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو بتوں کے لیے بھی سفارش کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ مشرکین ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا:

﴿وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (۱۰/ یونس:۱۸)

"اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارش ہیں۔"

تیسری قسم ان دونوں کے درمیان درمیان ہے۔ یہ اہل سنت کا گروہ ہے جو بعض قیود کے ساتھ سفارش کو حق سمجھتے ہیں۔

سوال نمبر: ۱۷۶ کیا کوئی آدمی سفارش کے بغیر بھی جنت میں داخل ہو سکے گا؟ دلیل کے ساتھ وضاحت کریں۔

جواب ہاں اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے کئی لوگوں کو بغیر سفارش کے نکالیں گے اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کریں گے۔

اہل دنیا جب جنت میں داخل ہوں گے تو جنت کا بقیہ حصہ پر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ایک قوم پیدا کرے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا۔

صحیح مسلم میں ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ فرمائیں گے فرشتوں نے بھی سفارش کر لی اور نبیوں نے بھی سفارش کر لی اب صرف ارحم الراحمین باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ جہنم میں سے ایک مٹھی بھریں گے اور ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال لیں گے جنہوں نے کبھی نیکی نہیں کی ہوگی۔ [1]

ایک شاعر کہتا ہے:

وقل یخرج اللہ العظیم بفضلہ
من النار اجساداً من الضحم تطرح
علی النہر فی الفردوس تحیابمائہ
کحب حمیل السیل اذا جاء یطفح

"کہہ دو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کچھ ایسے لوگوں کو آگ سے نکالے گا جو جہنم کے انگاروں پر جھلس رہے ہوں گے اور انہیں فردوس میں غوطہ دیا جائے گا، اور اس کا پانی ان کو ایسے زندہ کر دے گا جیسے سیلاب میں زرخیز جگہ پر کوئی کمزور پودا اگ پڑتا ہے۔"

---

[1] مسلم، کتاب الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیة: ۱۸۳۔

جنت اور جہنم

سوال نمبر: ۱۷۷ جنت اور جہنم کی تخلیق، ان کے باقی رہنے اور ان میں داخل ہونے والوں کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مذہب کیا ہے؟

جواب اہل سنت اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ جنت اور جہنم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے (یعنی یہ مخلوق ہیں) اور یہ دونوں ہی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جنت اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کا گھر ہے۔ اس کی نعمتیں بھی انہی لوگوں کے لیے خاص ہیں جہنم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا گھر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مختلف عذاب تیار کیے ہیں۔ اہل جنت، جنت کے اندر اور اہل جہنم جہنم کے اندر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جہنمی لوگوں پر عذاب کا کوڑا ہمیشہ رہے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا ﴾ (۳۵/ فاطر:۳۶)

''جہنم (میں) نہ تو ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر ہی جائیں۔''

اور فرمایا:

﴿ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴾ (۸۷/ الاعلیٰ:۱۳)

''جہاں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ ہوگا۔'' (بلکہ حالت نزاع میں پڑا رہے گا)

بخاری مسلم اور دیگر کتب احادیث میں یہ حدیث کئی سندوں کے ساتھ مروی ہے ''آپ ﷺ نے نماز کسوف کے اندر جنت کو دیکھا حتی کہ آپ نے اس کے انگوروں کا گچھا توڑنے کا ارادہ فرمایا، پھر اچانک آگ کو دیکھا اور آپ نے کبھی بھی اس سے زیادہ بھیانک منظر نہیں دیکھا۔ [1] اسی طرح آپ نے واقعہ معراج میں تفصیل ذکر کی کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں موتیوں کے خیمے دیکھے جب کہ اس کی مٹی مسک کی ہے۔ ایک حدیث میں ہے ''موت کو ایک سینگوں والے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور کہا جائے گا اے جنتیوں ہمیشہ ہمیشہ رہو آج کے بعد کوئی موت نہیں ہے اور اے جہنمیوں اور ہمیشہ ہمیشہ رہو آج کے بعد کوئی موت نہیں ہے۔'' [2]

---

[1] بخاری، کتاب الأذان، باب ما یقول بعد التکبیر: ۷۴۵۔

[2] ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب ما جاء فی خلود أهل الجنة: ۲۵۵۷۔

تقدیر کے چار مراتب

سوال نمبر: ۱۷۸ تقدیر پر ایمان لانے کا بیان گزر چکا ہے جیسا کہ سوال نمبر ۴۰ میں اس کی وضاحت ہے، بتایئے کہ تقدیر کے مراتب کیا ہیں اور ہر مرتبہ کی دلیل کیا ہے؟

جواب تقدیر کے چار مراتب ہیں۔

پہلا مرتبہ: اللہ تعالیٰ کے لیے ازلی ابدی علم کا اثبات۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ (۸/ الانفال:۷۵)

''بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

اور کہا:

﴿ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ (۶۵/ الطلاق:۱۲)

''اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو باعتبار علم گھیر رکھا ہے۔''

صفت علم کے اثبات پر مزید دلائل سوال نمبر ۹۱ میں گزر چکے ہیں۔

دوسرا مرتبہ: اور پھر اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، چاہے وہ چھوٹی ہو یا پھر بڑی ہو جو کچھ تھا اور جو کچھ ہونے والا ہے سب لکھا ہوا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴾ (۵۷/ الحدید:۲۲)

''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے (خاص) تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں یہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴾ (۲۷/ نمل:۷۵)

''آسمان وزمین کی کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں جو روشن اور کھلی کتاب میں نہ ہو۔''

اور فرمایا:

﴿ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ فِيٓ إِمَامٖ مُّبِينٖ ﴾ (۳۶/ یس: ۱۲)

''اور ہم نے ہر ایک چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔''

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہا: ''اے میرے بیٹے تو اس وقت تک ایمان کی حلاوت کو محسوس نہیں کر سکتا جب تک اس بات پر یقین نہ کر لے کہ جو مصیبت تجھے پہنچتی ہے لکھی ہوتی ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اور اسے کہا کہ لکھو، اس نے عرض کی اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر چیز کی تقدیر لکھو حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے'' اے میرے بیٹے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو اس بات کا یقین نہ رکھے اور مر جائے اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔'' [1]

مسند احمد کی روایت ہے ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے کہا لکھو اس نے اس گھڑی سے لے کر قیامت تک وقوع پذیر ہونے والا سب کچھ لکھ دیا۔'' [2]

تیسرا مرتبہ: اللہ تعالیٰ کی مشیت (مرضی) بہر حال ہو کر رہتی ہے اس کو نافذ ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز کر سکتی ہے۔

تمام حوادث (امور) اللہ تعالیٰ کی مرضی سے واقع ہوتے ہیں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نہ چاہے وہ قطعاً نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴾ (۸۱/ التکویر: ۲۹)

''اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔''

اور کہا:

﴿ وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا ٱقْتَتَلَ ٱلَّذِينَ مِنۢ بَعْدِهِم ﴾ (۲/ البقرة: ۲۵۳)

''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اور فرمایا:

---

[1] ابو داود، کتاب السنة، باب فی القدر: ٤٧٠٠۔

[2] مسند احمد، کتاب باقي مسند الأنصار، ٢٢١٩٧۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (٢/ البقرة:٢٥٣)

''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ ﴾ (٦/ الانعام:٨٠)

''اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے۔''

اور فرمایا:

﴿ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ (٦/ الانعام:١١١)

''یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے ہاں اگر اللہ ہی چاہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا ﴾ (٢/ السجدة:١٣)

''اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت نصیب فرما دیتے۔''

اور فرمایا:

﴿ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (٦/ الانعام:٣٩)

''اللہ جس کو چاہے بے راہ کردے اور وہ جس کو چاہے سیدھی راہ پر لگا دے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ (١٠/ يونس:٩٩)

''اور آپ ﷺ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے۔''

اور فرمایا:

﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ (٤٨/ فتح:٢٧)

''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا امن و امان کے ساتھ۔''

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ﴾ (٤٧/ محمد:٤)

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو (خود) ہی ان سے بدلہ لے لیتا۔"

چوتھا مرتبہ: اس بات کا پختہ یقین رکھنا کہ تمام اشیاء کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہ اکیلا ہی خالق ہے اس کے علاوہ تمام چیزیں مخلوق ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ نظر آتا ہے اور جو مخلوقات نظر نہیں آتی ہیں سب کو پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (١٣/ الرعد:١٦)

"اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ ﴾ (٣٥/ الفاطر:٣)

"اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (٦/ الانعام:١٠١)

"وہ آسمان اور زمین کا موجد ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (٣٧/ الصافات:٩٦)

"حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (١/ الفاتحه:١)

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ ﴾ (٢٦/ الشعراء:٢٣، ٢٤)

"فرعون نے کہا یہ رب العالمین کیا (چیز) ہے؟ (حضرت) موسیٰ نے فرمایا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین

رکھنے والے ہو۔“

ان چاروں مراتب پر ایمان رکھنا از حد ضروری ہے۔

تقدیر کی اقسام

سوال نمبر: ۱۷۹ تقدیر کی کتنی قسمیں ہیں ہر ایک کی وضاحت دلیل کے ساتھ کریں؟

جواب پہلی تقدیر: وہ تقدیر جس کے اندر تمام مخلوقات شامل ہیں اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ ان کا خوب علم رکھتے ہیں اور ان کو لوح محفوظ میں لکھا ہے، ان کی تخلیق کو پسند فرمایا اور انہیں پیدا کر دیا۔ یہ وہی تقدیر ہے جس کا پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

علم　　کتابة　　مولانا　　مشیته
وَ　　خلقه　　وهو　　ایجاد　　وَتکوین

”ہمارے رب کا علم ہے، کتابت ہے اس کی مشیت اور خلقت ہے۔ وہی ایجاد کرتا ہے اور وہی ان کو پورا کرتا ہے۔“

اس کے دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔

دوسری تقدیر: تقدیر عمری اس کا مطلب درج ذیل ہے۔ بندوں کا رزق، ان کی عمر، ان کا عمل، بدبختی، خوش نصیبی سے متعلق تقدیر۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور وہ سب سے بڑھ کر سچے ہیں:

”تم میں سے ہر ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں رہا۔ پھر وہ چالیس دن علقہ کی صورت بنا۔ پھر چالیس دن مضغہ کی صورت رہا۔ پھر اس کی طرف فرشتہ بھیجا گیا۔ اس کو چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا گیا وہ اس کا رزق لکھتا ہے۔ اس کی عمر لکھتا ہے۔ اس کی بدبختی یا خوش نصیبی لکھتا ہے۔“ [1]

تیسری تقدیر: وہ سنوی (سالانہ) تقدیر ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

---

[1] بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة: ۳۲۰۸۔

﴿ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴾ (٤٤/ الدخان:٤)

''اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لیلۃ القدر میں سال بھر کے اعمال لکھے جاتے ہیں بھلائی، برائی، رزق، موت، حتی کہ حجاج کی تفصیل لکھی جاتی ہے کہا جاتا ہے اس سال فلاں فلاں آدمی حج کرے گا۔

حضرت حسن، مجاہد، قتادہ فرماتے ہیں ''رمضان المبارک کے اندر جو لیلۃ القدر ہے اس میں تمام لوگوں کی عمریں، اعمال، رزق، اور جو کچھ اس سال میں ہونا ہو لکھا جاتا ہے۔

چوتھی تقدیر: وہ تقدیر یومی (دن) ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴾ (٥٥/ الرحمٰن:٢٩)

''وہ ہر روز کسی کام میں لگا ہوتا ہے۔''

امام حاکم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے ''اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتیوں سے بنایا۔ اس کے دونوں گتے سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم اور کتابت نور کا ہے۔ اس کی چوڑائی زمین و آسمان کی ساخت کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ روزانہ اس کو ۳۶۰ دفعہ دیکھتے ہیں۔ ہر نظر کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کئی مخلوقات کو پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے، عزت دیتا ہے اور جس طرح وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ [1]

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴾ (٥٥/ الرحمٰن:٢٩)

''وہ ہر روز کسی کام میں لگا ہوتا ہے۔''

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ بے شک وہ مارتا ہے زندہ کرتا ہے، رزق دیتا ہے۔ بعض لوگوں کو عزت دیتا ہے اور بعض کو ذلیل کرتا ہے مریض کو شفا دیتا ہے اور ضرورت مند کی ضرورت کو پوری کرتا ہے۔ مصیبت ختم کرتا ہے۔ دعا قبول کرتا ہے۔ سائل کو دیتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے دیگر افعال ہیں جن کا

---

[1] مستدرك حاكم، تفسير سورة الرحمن: ٣٧٧١۔

شمار ممکن نہیں ہے۔

سوال نمبر: ۱۸۰ کیا عرش کو قلم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے؟۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عبادہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں تطبیق (جمع) کیا ہے؟۔

جواب ہاں اللہ تعالیٰ کا عرش ایسی مخلوق ہے جو تمام مخلوقات سے پہلے ہے۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیر کو زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل پیدا کیا۔ اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کی پیدائش کے وقت اس کو کہا کہ لکھو مگر اس سے بھی بہتر معانی یہ ہیں کہ قلم کو سب سے پہلے پیدا کیا ان معانی سے دونوں احادیث کا اکٹھا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ عبداللہ بن عمر کی حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ عرش تقدیر سے پہلے تھا اور تقدیر مخلوقات کے ساتھ پیدا کی گئی۔

تقدیر کو دلیل بنانے کا حکم

سوال نمبر: ۱۸۱ تقدیر کو دلیل بنا کر اللہ کے حکموں کو چھوڑنے اور نہی پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑنے اور نواہی پر عمل کرنے کے لیے تقدیر کو حجت بنانا ہمارے لیے قطعاً جائز نہیں ہے، بلکہ ہمارا ایمان یہ ہونا چاہیے کہ کتابوں اور رسولوں کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر حجت قائم کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾

(٤/ النساء:١٦٥)

”رسولوں کو خوشخبریاں دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تا کہ رسولوں کی بعثت کے بعد لوگوں کے پاس اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔“

سوال نمبر: ۱۸۲ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نواہی کے کا مخاطب کون لوگ ہیں۔

جواب اس کا مخاطب ہر وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور نواہی سے رکنے کی استطاعت رکھتا ہے ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (۲/ البقرة:۲۸۶)

''اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (٦٤/ التغابن:١٦)

''جہاں تک ممکن ہو اللہ سے ڈرو۔''

اور فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ (۳/ آل عمران:۹۷)

''اور اللہ کے لیے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔''

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو حتی المقدور اس پر عمل کرنے کی کوشش کیا کرو۔''

سوال نمبر: ۱۸۳ تقدیر پر راضی ہونے کا مطلب اور حکم کیا ہے؟ نیز تقدیر کی بعض قسمیں بھی بیان کریں۔

جواب تقدیر پر راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا دل اس پر سکون اور اطمینان حاصل کرے اور قضاء سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفت اور ایسا فعل ہے جو اس کی ذات اقدس کے ساتھ قائم ہے اور اس کی بنیاد بھلائی عدل اور حکمت ہے۔

تقدیر کو تسلیم کرنا اور اس پر راضی ہونا واجب ہے۔

تقدیر کی دو قسمیں ہیں: پہلی تقدیر شرعی یا دینی ہے۔ اس پر راضی ہونا ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ ﴾ (۱۷/ الاسراء:۲۳)

''تیرے رب نے فیصلہ کیا۔''

اور فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (٤/ النساء:٦٥)

یہ دین اسلام کی بنیاد ہے۔

دوسری تقدیر کونی ہے۔ اس میں سے بعض تقدیر تو وہ ہے جس پر راضی ہونا اور اس پر شکر ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔ اور بعض تقدیر وہ ہے کہ اس پر راضی ہونا جائز نہیں جس طرح کہ گناہ وغیرہ جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اگرچہ ہوتا سب کچھ تقدیر کی بنیاد پر ہے۔

سوال نمبر: ۱۸۴ اگر انسان کی اچھی یا بری تقدیر لکھی جا چکی ہے تو پھر حصول اسباب کو ترک کرنا کیسا ہے؟ دلیل کے ساتھ وضاحت کریں۔

جواب اسباب کو چھوڑنا جائز نہیں کیونکہ تقدیر کا پہلے سے لکھا جانا عمل میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات تقدیر پر اعتماد کر کے بیٹھنے کو لازم قرار دیتی ہے بلکہ انسان پر واجب ہے کہ کوشش اور محنت میں لگا رہے اور اعمال صالحہ کا اہتمام کرتا رہے۔ اس لیے جب صحابہ کرام کو نبی ﷺ تقدیر کی سبقت کے واقع ہونے اور اقلام کے خشک ہونے کی خبر دی تو ایک صحابی کہنے لگے پھر ہم اپنی تقدیر پر اعتماد نہ کر لیں اور عمل چھوڑ دیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ تم عمل کرو اور ہر انسان کو وہی عمل میسر آئے گا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ بدبخت لوگ برے اعمال اور خوش بخت لوگ اچھے اعمال کریں گے تو پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ﴾ (٩٢/ الليل:٥) [1]

''پس وہ شخص جس نے دیا۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس چیز کا لالچ رکھ جو تمہارے لیے فائدہ مند ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہو اور عاجز ہو کر نہ بیٹھ جاؤ۔''

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب موعظة المحدث عند القبر: ١٣٦٢۔

اہل سنت کے نزدیک ایمان اور دین

سوال نمبر: ۱۸۵ اہل سنت کے ہاں ایمان اور دین سے کیا مراد ہے؟

جواب اہل سنت کے ہاں دین اور ایمان قول وعمل کا نام ہے۔ دل اور زبان کے ساتھ اقرار، دل، زبان اور جوارح (اعضاء) کے ساتھ عمل (یقین) اور یہ کہ ایمان اطاعت کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے۔ اور معصیت (نافرمانی) کے ساتھ کم ہوتا ہے۔

قول القلب سے مراد

سوال نمبر: ۱۸۶ دل کے اقرار سے کیا مراد ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب دل کے اقرار سے مراد تصدیق اور یقین ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ (۳۹/ الزمر:۳۳)

”اور جو سچے دین کو لائے اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ متقی ہیں۔“

اور فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴾
(۶/ الانعام:۷۵)

”اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائے۔“

اور فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا ﴾
(۴۹/ الحجرات:۱۵)

”بے شک مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک وشبہ نہ کریں۔“

اور فرمایا:

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا ﴾ (٢/ البقرة:١٣٦)

''اے مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی۔''

قول اللسان (زبانی اقرار سے مراد)

سوال نمبر: ۱۸۷ زبانی اقرار کا کیا مطلب ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب اس سے مراد زبان کے ساتھ شہادتین کی ادائیگی ہے یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے لوازمات کا اقرار کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (٤٤/ الدخان:٨٦)

''البتہ جنہوں نے حق بات (توحید) کی یقین رکھ کر گواہی دی۔''

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ﴾ (٤٢/ حم سجدة:٣٠)

''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں حتی کہ وہ اس بات کا اقرار کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ [1] اور آپ ﷺ نے سفیان بن عبداللہ سے کہا تھا کہ ''کہو میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر اس پر قائم رہنا۔'' [2]

عمل القلب (دل کا عمل)

سوال نمبر: ۱۸۸ دل کا عمل کیا ہے اور اس کی دلیل ذکر کریں۔

جواب نیت، اخلاص، محبت، قبولیت اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ، توکل، رجوع اور ان

---

[1] بخاري، كتاب الإيمان، باب فإن تابو وأقاموا ٢٥۔

[2] ترمذي، كتاب الزهد، باب ماجاء في حفظ اللسان ٢٤١٠۔

چیزوں کے لوازمات اور اسی طرح ان کے تحت کئی چیزیں دل کے اعمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ ﴾
(٦/ الانعام:٥٢)

''اور ان لوگوں کو دور نہ ہٹائیے جو صبح وشام، اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں خاص اسی کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰٓ ۝ إِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۝ ﴾
(٩٢/ اللیل:١٩۔٢٠)

''اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو، بلکہ صرف اپنے پروردگار بزرگ وبلند کی رضا چاہنے کے لیے۔''

اور فرمایا:

﴿ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ ﴾ (٧٦/ الدھر:٩)

''سوائے اس کے نہیں، ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے کھلاتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَآ اٰتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رٰجِعُونَ ۝ ﴾
(٢٣/ المومنون:٦٠)

''اور جو اللہ کی راہ میں (اپنا مال) دیتے ہیں اور دینے پر ان کے دل میں ڈر رہتا ہے کہ ان کو اپنے مالک کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۗ ﴾
(٣١/ لقمان:٢٢)

''اور جو شخص خدا کے سامنے اپنا منہ جھکائے رہے (اس کی اطاعت کرے) اور

وہ نیکی پر ہو تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔

عمل اللسان (زبان کا عمل)

سوال نمبر: ۱۸۹ زبان کے عمل سے کیا مراد ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب جو چیز فقط زبان سے ادا ہو سکتی ہو مثلاً قرآن مجید کی تلاوت، تمام اذکار جیسا کہ تسبیح، لا الہ الا اللہ کا ذکر، تکبیر، دعاء، استغفار وغیرہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ ﴾ (۳۵/ فاطر:۲۹)

”بے شک وہ لوگ جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں۔“

﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ (۲۹/ العنکبوت:۴۵)

”اور تیری جانب جو تیرے رب کی کتاب وحی کی گئی ہے اسے پڑھتا رہ۔“

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴾

(۳۳/ الاحزاب:۴۱۔۴۲)

”اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو۔“

اور فرمایا:

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴾ (۷/ الاعراف:۲۰۵)

”مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو“

اور فرمایا (اے پیغمبر) اپنے دل میں صبح اور شام گڑگڑا کر اور ڈر ڈر کر اور پکار کر بات کرنے سے کم آواز میں اپنے مالک کی یاد کرتا رہ، اور غافل نہ ہو۔“

اور فرمایا:

﴿ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴾ (۱۸/ الکہف:۴۶)

''اور (ہاں) البتہ باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ازروئے ثواب اور (آئندہ) کی اچھی توقع کے لیے بہتر ہیں۔''

اور یہ باقیات مثل سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ہیں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس آدمی کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا۔

عمل الجوارح (اعضاء کا عمل)

سوال نمبر: ۱۹۰ انسانی اعضاء کا عمل کیا ہے اور اس کی دلیل ذکر کریں۔

جواب وہ اشیاء جن کی ادائیگی فقط انسانی اعضاء سے ممکن ہے مثلاً قیام، رکوع، سجدہ، اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں کی طرف چل کر جانا، نیکی کا حکم، برائی سے روکنا، حج بیت اللہ، جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ۔

اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلْقَيِّمَةِ﴾ (۹۸/ البینۃ:۵)

اور فرمایا:

﴿وَقُومُوا۟ لِلَّهِ قَٰنِتِينَ﴾

اور فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱرْكَعُوا۟ وَٱسْجُدُوا۟ وَٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمْ وَٱفْعَلُوا۟ ٱلْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۲۲/ الحج:۷۷)

﴿إِنَّ ٱللَّهَ ٱشْتَرَىٰ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَٰلَهُم﴾ (۹/ توبۃ:۱۱۱)

''اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی لیے دین کو خاص رکھیں ابراہیم حنیف کے دین پر، اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوۃ دیتے رہیں۔ یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔''

''اور اللہ تعالیٰ کے لیے فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ اے ایمان والو! رکوع

سجدہ کرتے رہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کے خرید لیا ہے۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ایمان کے ستر سے زائد شعبہ جات ہیں سب سے اعلیٰ (شعبہ) یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور سب سے چھوٹا (درجہ) راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے" اور فرمایا: "جو تم میں سے کوئی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہاتھ سے روک دے" اور اس کے علاوہ علماء سلف کے اس موقف پر کئی دلائل ہیں۔

سوال نمبر: ۱۹۱ اس بات کی دلیل کیا ہے کہ ایمان اطاعت سے بڑھتا اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ (۸/ الانفال:۲)

"اور اللہ تعالیٰ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾

(۹/ التوبة:۱۲٤؛ ٤۸/ الفتح:٤)

"پس وہ لوگ جو ایمان لائے ان کے ایمان اور زیادہ بڑھ گئے۔ تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایمان کے کئی شعبے ہیں یہ حدیث گزر چکی ہے اور فرمایا (جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں رائی کے دانے کے بقدر، یا ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہوا تو اس کو آگ سے نکال لیا جائے گا۔ [1]

---

[1] بخاري، كتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار: ٦٥٦٠۔

اہل ایمان کے مراتب اور اس کی دلیل

سوال نمبر: ۱۹۲ اہل ایمان کے مراتب کتنے اور کیا ہیں اور اس کی دلیل کیا ہے؟۔

جواب اہل ایمان کے تین مراتب ہیں۔

پہلی قسم: الظالمون اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیک اور برے اعمال کو خلط ملط کیا ہوا ہے۔

دوسری قسم: مقتصدون: میانہ روی اختیار کرنے والے اور یہ وہ لوگ ہیں جو تمام واجبات کا اہتمام کرتے ہیں اور حرام چیزوں سے دور رہتے ہیں وہ ان میں کمی اور زیادتی نہیں کرتے۔

اور تیسری قسم: السابقون نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے لوگ ہیں جو واجبات کے ساتھ ساتھ مستحب چیزوں کے اہتمام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔ اور حرام اور مکروہ چیزوں سے دور رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (۳۵/ فاطر:۳۲)

''پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا پھر بعض تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعض ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔''

اہل قبلہ کی تعریف

سوال نمبر: ۱۹۳ اہل قبلہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ دلیل کے ساتھ وضاحت کریں۔

جواب ہر وہ شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھے وہ اہل قبلہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا تو وہ مسلمان ہے۔ اس کے لیے وہ کچھ ہے جو ہمارے لیے ہے۔

اور اس پر وہ کچھ واجب ہے جو ہمارے لیے ہے۔''

سوال نمبر: ۱۹۴ العاصی (گنہگار) کون شخص ہے اور کیا وہ اپنی معصیت کی وجہ سے ایمان سے خارج ہو جاتا ہے؟ اہل سنت کے ہاں ایسے شخص کا نام کیا ہے؟ خوارج اور معتزلہ اسے کس نام سے یاد کرتے ہیں؟ اور آخرت میں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ہر وہ شخص جو کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے یا پھر صغیرہ گناہ مسلسل کرے اسے عاصی (گنہگار، نافرمان، فاسق) کہا جاتا ہے وہ عام مسلمانوں کی طرح ہے اس کو نافرمانی کی وجہ سے دائرہ ایمان سے خارج نہیں کیا جا سکتا دنیا میں اس کا حکم یہ ہے کہ اسے مطلق طور پر ایمان سے خالی نہیں کہا جا سکتا بلکہ اسے ناقص الایمان مومن کا نام دیا جائے گا۔ یا پھر کہا جائے گا کہ یہ اپنے ایمان کی وجہ سے مومن اور کبیرہ گناہ کی وجہ سے فاسق ہے۔ یا پھر اسے گنہگار، نافرمان مومن کہا جائے گا وہ کافر نہیں ہے۔

خوارج کا خیال ہے کہ وہ کافر ہے اور معتزلہ کے نزدیک وہ آدمی ایمان اور کفر کے درمیان لٹکا ہوا ہے آخرت میں اس کا حکم کچھ اس طرح ہے کہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے متعلق ہے۔ چاہے تو اسے معاف فرما دے اور جنت میں داخل کر دے اور اگر چاہے تو اس کے گناہ کی وجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کر دے اور پھر جنت میں داخل کر دے جیسا کہ خوارج کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب اگر توبہ کیے بغیر مر جائے تو وہ ابدی جہنمی ہے اور یہی خیال معتزلہ کا ہے۔

کبیرہ گناہ کی تعریف

سوال نمبر: ۱۹۵ کبیرہ گناہ کیا ہے؟

جواب ہر وہ گناہ جس پر حد لگائی جائے یا پھر آخرت میں اس پر وعید ہو یا پھر اس کی وجہ سے لعنت، غضب یا پھر ایمان کی نفی ہوتی ہو اسے کبیرہ گناہ کہتے ہیں ناظم کہتے ہیں۔

فما فیه حد فی الدنا او توعد

باخرى فسم كبرى على نص احمد
وزاد حفيد المجد او جاء وعيده
بنفى الايمان وطرد لمبعد

''ہر وہ گناہ جس کی دنیا میں حد لگائی جاتی ہے یا پھر آخرت میں اس پر وعید ہے تو امام احمد کے مطابق اس کو کبیرہ کا نام دو، اور اگر اس پر ایمان کی نفی یا اللہ کی رحمت سے دوری کا ذکر ہو تو وہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔''

سوال نمبر: ۱۹۶ اہل سنت والجماعت نے کس چیز سے اور کیسے دلیل پکڑی ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا؟۔

جواب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ

﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۷۸)

''پس جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے۔''

﴿ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ﴾ (۴۹/ الحجرات:۹)

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دیا کرو۔''

اور فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ﴾ (۶۰/ الممتحنہ:۱)

''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو میرے اور (خود) اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو۔''

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔'' [1] اور یہ کہ نبی کریم ﷺ نے نافرمان لوگوں کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک کیا ہے۔ اور شادی شدہ زانی کے علاوہ کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ''جو مسلمان

[1] بخاری، کتاب الإيمان، باب خوف المؤمن......: ۴۸۔

اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں'' تو اس کا قتل کرنا تین صورتوں کے علاوہ جائز نہیں۔ وہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے، مرتد ہو جائے یا پھر کسی بے گناہ انسان کو قتل کرے جیسا کہ دیگر احادیث میں وضاحت ہے۔

سوال نمبر: ۱۹۷ ایمان مطلق اور مطلق ایمان میں کیا فرق ہے۔ اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب ایمان مطلق سے مراد وہ ایمان ہے جو نافرمانی، فسق و فجور اور نقائص سے پاک ہو جسے ایمان کامل بھی کہا جاتا ہے اس ایمان کا حامل تمام واجبات کا اہتمام کرتا ہے اور حرام چیزوں سے دور بھاگتا ہے۔

اور مطلق ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جس کے ساتھ واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب بھی موجود ہے۔ جو کوئی معصیت کا ارتکاب کرے۔ جیسا کہ قتل، زنا، لواطت، شراب نوشی، اس کو نہ ہی تو کافر کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کو ایمان مطلق کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اس بات کا مستحق ہے کہ مطلق طور پر اس کو مومن کہا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں (کوئی زانی حالت ایمان میں زنا نہیں کر سکتا) گویا کہ بعض معاصی کا ارتکاب کرنے والے کو حدیث مبارکہ میں ناقص ایمان ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس کے ساتھ دیگر مسلمانوں جیسا معاملہ کیا ہے۔ اس کو قتل کرنے کے احکام صادر نہیں فرمائے۔ ہاں صرف اور صرف شادی شدہ زانی کو یہ سزا دی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ہمارا ایمان

سوال نمبر: ۱۹۸ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے متعلق ہم پر کیا واجب ہے۔ دلیل کے ساتھ وضاحت کریں؟

جواب اہل سنت والجماعت کا یہ اصول ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنا دل بغض، عداوت، کینہ اور حقارت سے بالکل پاک اور صاف رکھا جائے اور اپنی زبان کو ان کے متعلق سب و شتم، طعن و تشنیع، توہین اور گستاخی سے یکسر روکا جائے۔

اہل سنت ان کے متعلق وہی بات کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بیان

فرمائی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ ﴾ (٥٩/ الحشر: ١٥)

''اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔''

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تعمیل کرتے ہیں ''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی مت دو پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے وہ ان (صحابہ) کی صدقہ کردہ مٹھی بھر یا نصف مٹھی کے (ثواب) کو نہیں پہنچ سکتا۔'' [1]

فضائل صحابہ اور اہل سنت کا مؤقف

سوال نمبر: ۱۹۹ فضائل صحابہ کے متعلق واردشدہ دلائل میں اہل سنت کا موقف کیا ہے؟

جواب اہل سنت صحابہ کرام کے فضائل و مراتب کے متعلق جو کچھ کتاب وسنت میں وارد ہوا ہے اسے بالکل اسی طرح قبول کرتے ہیں۔ وہ ان صحابہ کو دیگر اصحاب پر ترجیح دیتے ہیں جنھوں نے صلح حدیبیہ سے قبل خرچ کیا اور لڑائی میں حصہ لیا۔

مہاجرین کو انصار پر ترجیح دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ ﴾

(٥٧/ الحديد: ١٠)

''تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ خرچ اور قتال کیا وہ (دوسروں کے) برابر نہیں، بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنھوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے۔''

---

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة: ٢٥٤١۔

سوال نمبر: ۲۰۰ مہاجرین انصار سے افضل کیوں ہیں دلیل سے وضاحت کریں؟

جواب اس لیے کہ انہوں نے ہجرت اور نصرت دونوں کی فضیلت حاصل کی ہے اور ان کی افضلیت قرآن مجید میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ﴾ (۵۹/ الحشر:۸)

''ان فقراء مہاجرین کے لیے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے۔''

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ﴾ (۹/ التوبة:۱۰۰)

''اور جو مہاجرین اور انصاری سابق اور مقدم ہیں۔''

اور اس طرح وہ دس صحابہ افضل ہیں جن کو جنت کی خوشخبری دی گئی۔

سوال نمبر: ۲۰۱ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان (کہ میرے صحابہ کو گالی مت دو) کی مناسبت کیا ہے اور گالی دینے والا کون تھا اور جس کو گالی دی گئی وہ کون تھا؟

جواب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن عوف کے درمیان کچھ تنازع ہوا تو خالد بن ولید نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کو گالی مت دو۔'' [1]

سوال نمبر: ۲۰۲ نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کیسے کہہ دیا کہ میرے صحابہ کو گالی مت دو۔ کیونکہ وہ تو خود بھی صحابہ میں شامل ہیں اور پھر انہیں یہ بھی کہہ دیا کہ ''احد کے برابر سونا خرچ کرو تو میرے صحابہ مٹھی بھر یا نصف مٹھی بھر صدقہ کو تم نہیں پہنچ سکتے۔''

جواب اس لیے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پہلے پہل ہی آپ ﷺ کے ساتھیوں میں شامل ہو گئے تھے جب کہ خالد بن ولید اور ان کے ساتھی آپ ﷺ سے دشمنی رکھتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے اپنا مال خرچ کیا اور اللہ کے راستے میں لڑائی بھی کی اللہ نے تو ایسے تمام لوگوں کے لیے بہت بھلائی کا وعدہ کیا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سب الصحابة: ۲۵٤۱۔

ہوا ہے۔ گویا عبدالرحمٰن بن عوف اور ان کے ساتھی ایسی صحبت کے ساتھ امتیازی خصوصیت رکھتے تھے جو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو حاصل نہیں ہے۔ وہ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے اور جہاد کیا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد والوں کو پہلے والوں کی فضیلت کے پیش نظر گالی دینے سے منع کیا ہے۔ اور یہ حکم عام ہے اور ہر اس شخص کو برا بھلا کہنے سے رکاوٹ ہے جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہے۔

سوال نمبر: ۲۰۳ اہل بدر اور اہل بیعت کے متعلق اہل سنت والجماعت کا موقف کیا ہے؟

جواب وہ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا جب کہ وہ تقریباً تین سو تیرہ تھے اور کہا تم جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے اور وہ ایمان رکھتے ہیں کہ (درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی آگ میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتا)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ (۴۸/ الفتح:۱۸)

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا جب کہ وہ درخت تلے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔''

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان شاء اللہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والا کوئی شخص آگ میں داخل نہیں ہوسکتا۔'' [1] یہ لوگ اس وقت چودہ سو تھے۔

سوال نمبر: ۲۰۴ بدر کہاں واقع ہے اس جنگ میں کتنے مشرک قتل ہوئے اور کتنے مسلمان شہید ہوئے؟

جواب یہ ایک مشہور بستی کا نام ہے جو مدینہ سے چار مراحل (تقریباً ۱۵۰ کلو میٹر) کے فاصلہ پر ہے اور اسی جنگ کی وجہ سے اس کا یہ نام مشہور ہوگیا، کیونکہ یہ واقعہ اسی مقام پر پیش آیا اور یہ ایسے مشہور واقعات میں سے ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل اصحاب الشجرة: ۲۴۹۶۔

اسلام کو بہت عزت دی ہے اور مشرکین کا قلع قمع کیا ہے۔ یہ واقعہ سترہ رمضان المبارک دو ہجری جمعۃ المبارک کو، دن کے وقت پیش آیا اس میں ستر کے قریب بڑے بڑے کافر سردار مارے گئے اور ستر قیدی بنے جب کہ چودہ مسلمان شہید ہوئے، جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصاری صحابہ تھے۔

سوال نمبر: ۲۰۵ وہ درخت کہاں ہے جس کے نیچے بیعت ہوئی اور اسے بیعت رضوان کیوں کہتے ہیں؟

جواب یہ درخت حدیبیہ کے مقام پر واقع تھا یہ ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اس کا نام ایک کنویں کی وجہ سے مشہور ہوا ہے اور یہ کنواں اس مسجد کے پاس ہے جہاں اللہ کے نبی ﷺ نے یہ بیعت لی تھی۔ حدیبیہ اور مدینہ کے درمیان نو مراحل (تقریباً سوا تین سو کلومیٹر) کا فاصلہ ہے۔ حدیبیہ کا کچھ علاقہ حدود حرم میں داخل ہے اور یہ سب سے دور حدود حرم ہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین بنے تو اس درخت کو کاٹنے اور اس مقام کو (مٹی) سے چھپا دینے کا حکم دیا کیونکہ انہیں پتہ چلا کہ بعض لوگ اس درخت کو متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرتے ہیں اور اس کے نیچے نمازیں پڑھتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فتنہ اور گمراہی کے خوف سے ایسا کیا۔ اس مقام کا مخفی ہو جانا اللہ تعالیٰ کی حکمتوں میں سے ہے۔ اس درخت کے نیچے کی گئی بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دلیل بنا کر یہ نام اختیار کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (٤٨/ الفتح:١٨)

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت تلے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔''

سوال نمبر: ۲۰۶ خلفاء راشدین کے بعد کون لوگ افضل ہیں؟

جواب ان کے بعد ان صحابہ رضی اللہ عنہ کا رتبہ ہے جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے پھر اہل بدر اور پھر اہل بیعت رضوان اور کہا گیا کہ ان کے بعد جنگ احد میں شریک

ہونے والوں کا درجہ ہے۔ **ایک قول** کے مطابق خلفاء راشدین کے بعد ان لوگوں کا رتبہ ہے جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے تھے۔ اس مسئلہ میں کتاب وسنت کی کئی نصوص وارد ہوئی ہیں۔ اس میں وارد شدہ آیت پہلے گزر چکی ہے۔ جب کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ہم حدیبیہ میں چودہ سو کی تعداد میں تھے۔ ہمیں نبی کریم ﷺ نے کہا تھا: تم ''اہل زمین میں سے افضل ترین ہو۔'' [1] اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حدیبیہ والوں کو کہا تھا: ''کوئی قوم تمہارے صاع اور مد (ناپ تول کے پیمانے) کو تمہارے بعد نہیں پہنچ سکے گی۔'' اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا مگر سرخ اونٹ والا۔'' [2] اور اسی طرح کئی دیگر دلائل میں یہ وضاحت موجود ہے۔

جنت کی بشارت کس کس کے لیے؟

سوال نمبر: ۲۰۷ کیا دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ بھی کسی کے لیے جنت کی گواہی دی گئی ہے؟ اور وہ دس صحابہ رضی اللہ عنہم کون کون سے ہیں؟

جواب ہر وہ انسان جس کے لیے نبی کریم ﷺ نے جنت کی گواہی دی ہے۔ ہم بھی اس کے لیے جنت میں داخلہ کی گواہی دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت حسن، حضرت حسین، ثابت بن قیس، عکاشہ بن محصن، عبداللہ بن سلام۔ البتہ دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام یہ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، عبدالرحمن بن عوف، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔

---

[1] بخاری، باب غزوۃ الحدیبیۃ: ٤١٥٥۔

[2] ترمذی، کتاب المناقب، باب فیمن سب أصحاب النبی ﷺ: ٣٨٦٣۔

سوال نمبر: ۲۰۸ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے خلافت کا حقدار کون تھا اور پھر اس کے بعد کس کا حق تھا بالترتیب ذکر کریں؟

جواب اپنی فضیلت اور سبقت کے لحاظ سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ رضی اللہ عنہ کو دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم پر ترجیح دیتے تھے۔ ان کی فضیلت پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے ان کے بعد فضیلت کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مجلس شوریٰ کے انتخاب کے لحاظ سے، پھر اپنی فضیلت اور اجماع اہل عصر کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، یہ چاروں انتہائی زیرک عقل مند خلفاء اور ہدایات یافتہ ائمہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد خلافت فقط (۳۰ سال) تیس سال قائم رہے گی'' اس خلافت کی انتہا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہوئی۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خلفاء کی جو ترتیب خلافت میں ہے وہی ترتیب ان کی فضیلت کے لحاظ سے ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح نہیں تھی وہ انسان انتہائی گمراہ ہے۔

ازواج مطہرات کے بارے میں درست موقف

سوال نمبر: ۲۰۹ امہات المومنین ازواج الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہم پر کیا واجب ہے؟

جواب اہل سنت والجماعت کا ازواج مطہرات کے متعلق مذہب یہ ہے کہ وہ ان سے محبت رکھتے ہیں ان سے راضی ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ امہات المومنین آخرت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہوں گی۔ وہ مومنین کی مائیں ہیں جن کا احترام ان پر واجب ہے اور ان سے نکاح حرام ہے۔ وہ ہر قسم کی برائی سے بری الذمہ اور پاک ہیں۔ اہل سنت انہیں لوگوں کی طرف سے کی گئی طعن تشنیع سے پاک تصور کرتے ہیں۔ ان کو تہمت سے بھی پاک تصور کرتے ہیں۔ اہل سنت یہ تمام اوصاف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا میں بدرجہ اتم ثابت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیادہ تر اولاد بھی انہیں کے بطن سے ہے۔ وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے آپ ﷺ کو ان کے مشن میں بھر پور تعاون مہیا کیا۔ آپ ﷺ کے ہاں ان کا مقام اور مرتبہ انتہائی بلند ہے۔ صدیقہ بنت صدیق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ بھی بلند ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ''عائشہ کو عورتوں پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسا کہ گوشت کو دیگر کھانوں پر ہے۔'' آپ کی بیویوں میں سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ جنہیں دو دفعہ ہجرت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ایک دفعہ اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ کی طرف اور دوسری دفعہ مدینہ کی طرف آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں ایک نام زینب رضی اللہ عنہا بھی ہے۔ جن کا خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکاح ساتویں آسمان سے اوپر پڑھایا۔ آپ کی بیویوں میں حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں جو عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں اور ان کے پاس قرآن محفوظ رہا۔ ان میں ایک صفیہ بنت حیی بھی ہیں۔ جن کی اولاد میں سے ہارون بن عمران بھی ہیں۔ ازواج مطہرات میں سے جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بھی ہیں جو بنی مصطلق کا حکمران تھا۔ ان میں سے ایک سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں جن کے سبب حجاب (پردے) کا حکم نازل ہوا۔ انہی میں سے ام حبیبہ بھی ہیں جنہوں نے دو دفعہ ہجرت کی سعادت حاصل کی ہے اور انہی میں سے میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بھی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اہل بیت

سوال نمبر: ۲۱۰ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان میں سے افضل کون ہے اور ان کے متعلق ہم پر کیا واجب ہے؟

جواب اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لیے صدقہ بالکل حرام ہے اور اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر، حضرت عقیل، حضرت عباس اور بنو حارث بن عبدالمطلب کی اولاد ہے۔ اسی طرح آپ کی سب بیویاں بھی اہل بیت میں شامل

ہیں۔ جس طرح کہ سورۃ الاحزاب میں وضاحت موجود ہے۔ ان سب سے افضل علی، فاطمہ، حسین، حسن رضی اللہ عنہم، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر ڈال دی تھی اور ان کو دعا کے ذریعے خصوصیت عطا فرمائی تھی۔

ان کے متعلق ہم پر واجب ہے کہ ہم ان سے محبت رکھیں ان کی عزت کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان سے دوستی رکھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت، قبول اسلام، اسلام کی طرف سبقت، مصائب کو حوصلہ کے ساتھ برداشت کرنے اور اللہ کے دین کی نصرت کی وجہ سے ان کی فضیلت کا اقرار کریں۔

اہل بیت کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

سوال نمبر: ۲۱۱ اہل بیت کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کیا ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب اس وصیت سے مراد ''غدیر خم'' کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتا ہوں'' اسی طرح کا فرمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی گئی۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اللہ اور میری قرابت کے لیے تم سے محبت نہ رکھیں'' اور فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو منتخب کیا ہے اور بنی اسماعیل میں سے کنانہ کو چن لیا ہے اور کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چن لیا ہے اور مجھے بنی ہاشم سے منتخب فرمایا ہے۔'' [1]
اس حدیث میں بھی اہل بیت کی عزت وتوقیر اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی۔

سوال نمبر: ۲۱۲ روافض اور نواصب کا طریقہ کار کیا ہے اور اہل سنت کا ان دونوں

---

[1] مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی ...... : ۲۲۷۶۔

فرقوں کے بارے میں کیا موقف ہے؟

جواب روافض کا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہیں۔ ان کے طریقہ کار کی تفصیل سوال نمبر ۱۵۹ میں گزر چکی ہے۔

ناصبی اہل بیت کے ساتھ انتہائی سخت قسم کی عداوت رکھتے ہیں اور وہ اہل بیت سے لا تعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اہل بیت کی تکفیر کرتے ہیں اور وہ ان کے متعلق فسق و فجور سے کام لیتے ہیں۔

اہل سنت، رافضیوں اور ناصبیوں کے طریقہ سے اعلان لاتعلقی کرتے ہیں وہ تمام مومنوں سے دوستی رکھتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت اور فضیلت سے خوب واقف ہیں اور وہ اہل بیت کے حقوق کا مکمل تحفظ کرتے ہیں۔ اور وہ مختار اور حجاج وغیرہ کے کاموں پر ہرگز خوش نہیں ہیں۔ ان کا موقف خوارج اور روافض کے طریقہ کار کا درمیانی رستہ ہے۔ سوال نمبر ۱۵۹ میں ذکر ہو چکا ہے۔

سوال نمبر: ۲۱۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلافات کے متعلق اہل سنت کا موقف کیا ہے؟

جواب ان کے اختلافات پر تبصرہ یا اپنی رائے دینے سے باز رہنا، کیونکہ یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم کے کسی ایک گروہ کے ساتھ عداوت اور کینہ کا سبب بن سکتی ہے اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔ ان سے محبت رکھنا، ان سے راضی رہنا، ان سے رحم دلی کا اظہار کرنا، ان کے فضائل کا مکمل تحفظ کرنا، ان کی عظمت کا اعتراف کرنا اور ان کے فضائل و مناقب کی اشاعت کرنا، اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان کی بنا پر واجب ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ﴾ (۵۹/ الحشر: ۱۰)

"اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔"

سوال نمبر: ۲۱۴ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برائیوں پر مبنی بعض آثار کے متعلق اہل سنت کی کیا رائے ہے؟

جواب اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ ایسے منقول شدہ آثار یا تو ویسے ہی جھوٹے ہیں یا پھر ان میں کمی زیادتی کر کے ان کو بدل دیا گیا ہے۔ یہ تبدیلی ان کی مذمت اور توہین پر مبنی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں صحیح موقف یہ ہے کہ انہوں نے اجتہادی مسائل میں اگر بعض غلطیاں کی ہیں تو وہ معذور ہیں یا تو وہ اجتہاد کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں یا پھر اجتہاد کی بنیاد پر ان سے غلطی ہوئی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام سے راضی ہو۔

سوال نمبر: ۲۱۵ عصمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل سنت کی کیا رائے ہے؟

جواب ان کا اعتقاد یہ ہے کہ کوئی صحابی بھی صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم نہیں ہے۔ ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا جائز ہے کہ ان سے گناہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کے لیے سبقت اسلام اور ایسے فضائل ومناقب ہیں جو مغفرت اور بخشش کا سبب ہیں۔ جس طرح ان کے گناہ معاف کیے گئے ان کے بعد کسی کے نہیں ہو سکتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ سب سے بہتر لوگ ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک مد (چھوٹا سا پیمانہ) صدقہ کرے تو عام آدمی کے احد پہاڑ جتنا سونا صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ بالفرض ان میں سے کوئی ایک گناہ کر بیٹھا تو اس نے توبہ کر لی یا اس کی نیکی کی وجہ سے وہ گناہ مٹا دیا گیا یا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو سابقہ فضیلت کی بناء پر ویسے ہی بخش دیا، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش اس کے حق میں قبول کی جائے گی اور یہ بات مسلم ہے کہ وہ سفارش کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، یا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کسی آزمائش میں مبتلا کر دیا جس کی وجہ سے وہ گناہ ختم ہو گیا۔ یہ طرز عمل تو ان گناہوں کے متعلق ہے جو ان سے واقعتاً سرزد ہوئے جو غلطیاں اجتہادی طور پر ہوئیں ان کا کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر اس میں وہ حق پر تھے تو ان کے لیے دو اجر ہیں۔ اور اگر غلطی پر تھے تو پھر بھی ان کے لیے ایک اجر ہے اور

ان کی غلطی معاف کر دی جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت سے غلطی اور بھول چوک کو اٹھا لیا گیا ہے'' [1] اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ''اے میرے بندو تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہوں۔'' [2]

سوال نمبر: ۲۱۶ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب ذکر کریں؟

جواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل مندرجہ ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان، اللہ کے رستے میں جہاد، ہجرت، دین کی نصرت، نافع علم، نیک عمل وغیرہ۔ جو کوئی مکمل بصیرت اور علمی بنیادوں پر کسی قوم کا مطالعہ کرے گا تو اسے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول ﷺ کے بعد تمام اقوام سے افضل ہیں ان جیسا نہ کوئی تھا اور نہ ہی ہوگا۔ وہ اس امت کے بہترین اور منتخب شدہ افراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت عزت واکرام سے نوازا تھا۔

کرامت کا بیان

سوال نمبر: ۲۱۷ کرامت کیا ہے؟ اور کیا یہ اس آدمی کی سچائی، ولایت اور فضیلت کی دلیل ہے جس کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔

جواب خلاف عادت بات کو کرامت کہتے ہیں بشرطیکہ وہ نبوت کے دعویٰ سے خالی ہو۔ اور یہ اس بات کا پیش خیمہ نہیں کہ یہ آدمی نیک سیرت اور متبع شریعت ہے اور اس کے اعتقاد مبنی برصحت ہیں اور یہ نیک اعمال کرنے والا ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں جس کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور صاحب فضیلت انسان ہو۔

سوال نمبر: ۲۱۸ معجزہ، کرامت اور شیطانی احوال کے درمیان کیا فرق ہے؟

ج: معجزہ، نبوت کے دعویٰ کے ساتھ ملا ہوتا ہے، کرامت کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہیں ہوتا، جب کہ شیطانی احوال تو گمراہ لوگوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ

---

[1] ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب طلاق المكرة والناسي: ٢٠٤٥۔

[2] مستدرك حاكم، ٧٦٠٦۔

تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں مثلاً جادوگر، کاہن، اور شعبدہ باز وغیرہ جب کہ کرامت اس آدمی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے جو نیک سیرت ہو اور پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزارنے والا اور گناہوں سے دور رہنے والا ہو۔

سوال نمبر: ۲۱۹ کرامت کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مذہب کیا ہے؟

جواب اہل سنت اولیاء کی کرامت پر مکمل یقین رکھتے ہیں اور انہیں حق مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنے مقرب بندوں کے ہاتھ پر ایسی چیزیں ظاہر کرتے ہیں جو بظاہر کشف اور مختلف قسم کی قدرت وطاقت پر مبنی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اصحاب کہف کا قصہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین کے کئی واقعات موجود ہیں۔ معتزلہ، جہمیہ اور بعض گمراہ فرقوں نے کرامات کا انکار کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اس میں قطعاً کوئی حقیقت نہیں ہے۔

سوال نمبر: ۲۲۰ کیا کرامت کا ظاہر نہ ہونا، انسان کے دین اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مقبولیت میں کمی کا باعث ہے؟

جواب یادرکھو کسی نیک انسان کے ہاتھ پر خلاف عادت چیز یا کسی غیر معمولی طاقت کا ظاہر نہ ہونا اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے مقام ومرتبہ کو کم کرتا ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس آدمی کی کوئی قدر ومنزلت نہیں ہے۔ بلکہ ان چیزوں کا ظاہر نہ ہونا دینی لحاظ سے اس کے لیے زیادہ فائدہ منداور نفع بخش ہے۔ خصوصاً جب کہ ان کا ظہور نہ ہی واجب ہے اور نہ ہی مستحب ہے۔

سوال نمبر: ۲۲۱ کرامت سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور کیا اس کا مسلسل ظاہر ہونا لازمی ہے؟

جواب سب سے پہلے نمبر پر کرامت سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے اور اس کی مرضی کا نافذ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک فائدہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ طریقے اور اسباب بنائے ہیں جن کی بناء پر اس کی قدرت کاملہ واضح

ہوتی ہے۔اسی طرح ایک اور طریقہ بھی ہے جس کو انسانی علم سمجھنے سے قاصر ہے اور لوگوں کے اعمال اور اسباب اس حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔

دوسرے نمبر پر اصل میں یہ کرامت رسولوں کی رسالت پر مہر تصدیق کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ یہ جس کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے یہ نبی ﷺ اطاعت و فرمانبرداری اور اطاعت الٰہی کی بنیاد پر ہے۔

تیسرے نمبر پر اس انسان کے لیے خوشخبری اور خوش بختی کا باعث ہے جس کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور یہ قیامت تک جاری رہے گی۔

سوال نمبر: ۲۲۲ نبی کریم ﷺ کے آثار سے کیا مراد ہے اور ان کے بارے میں اہل سنت کا کیا موقف ہے؟ ان کی تقسیم اور دلائل ذکر کریں۔

جواب آپ ﷺ کے آثار کی دو قسمیں ہیں۔(۱) وہ جو آپ ﷺ سے اقوال، افعال اور تقاریر وغیرہ کے ذریعے منقول ہیں۔ان آثار و دلائل پر عمل کرنا اور ان کو لازم پکڑنا واجب ہے۔(۲) دوسرے وہ آثار ہیں جو حسی طور پر آپ ﷺ سے نقل کیے گئے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ کے کھانے، پینے، سونے اور بیٹھنے کے احکامات، زمین میں آپ ﷺ کے چلنے کے نشانات وغیرہ تو ان کے پیچھے پڑنا اور ان کو عبادت گاہ بنانا قطعاً جائز نہیں ہے۔کیونکہ یہ آپ ﷺ کی شان میں غلو اور شرک کا باعث ہے اسی لیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ درخت کٹوا دیا تھا جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی کیونکہ انہیں پتہ چلا تھا کہ لوگ اس درخت کی طرف تبرک کی غرض سے سفر کر رہے ہیں۔انہوں نے کہا (تم سے پہلے لوگ اسی لیے برباد ہو گئے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی نشانیوں کی تلاش شروع کر دی تھی)۔اسی لیے انہوں نے آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے آثارات کی تلاش سے منع کر دیا۔ یہی قول جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل سنت کا ہے اور یہی حق ہے اس کے خلاف موقف اختیار کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار

سوال نمبر: ۲۲۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول شدہ چیزوں کی کب اتباع کی جائے گی؟ وضاحت کریں دلائل ذکر کرتے ہوئے مسئلہ کی مکمل تفصیل بیان کریں۔

جواب صحابہ کرام سے منقول شدہ وہ آثار جو سنت رسول ﷺ کے مطابق ہوں یا پھر جہاں سنت سے رہنمائی نہ مل سکے تب ان پر عمل صحیح ہے۔ جب کتاب وسنت کی کوئی نص مل جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار پر اس کو مقدم کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (٤/ النساء:٥٩)

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سائل جن کا نام ثقفی ہے کہ اس عورت کے بارے میں فتویٰ دیا جس کو قربانی کے دن کمزوری کے ایام شروع ہو گئے جب کہ وہ بیت اللہ میں طواف زیارت کر چکی تھی کہ وہ وہاں سے نہ نکلے۔ تو ثقفی کہنے لگے۔ اسی مسئلہ میں مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح فتویٰ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف لپکے اور انہیں اپنے درہ سے مارنا شروع کر دیا اور کہا تم مجھ سے اس چیز میں فتویٰ طلب کیوں کر رہے ہو جس میں تجھے نبی کریم ﷺ فتویٰ دے چکے ہیں۔ [1] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض چیزوں میں فتویٰ دیا تو ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ نبی کریم ﷺ اس کے خلاف فتویٰ دے چکے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس گئے اور فرمایا کہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں جس طرح میں نے بتایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "مجھے ڈر ہے کہ عنقریب

---

[1] ابو داود، کتاب المناسک، باب الحائض تخرج بعد الإفاضة: ٢٠٠٤۔

تمہارے اوپر پتھروں کی بارش شروع ہو جائے گی میں تمہیں کہتا ہوں نبی کریم ﷺ نے یہ کہا اور تم کہتے ہو کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کہا ہے۔'' حضرت ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے یہ فرما رہے تھے ''اے لوگو! بے شک اللہ کے نبی ﷺ کی (رائے) تو بالکل صحیح ہوتی تھی کیونکہ اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جاتی تھی۔ جب کہ ہمارے رائے تو فقط ظن ہے۔'' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ جس کے لیے نبی کریم ﷺ کی سنت ظاہر ہو جائے وہ اس کو کسی کے قول کی بناء پر ہرگز رد نہ کرے۔'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ہم میں سے ہر ایک کی بات کو رد کیا جا سکتا ہے مگر اس قبر والے (محمد ﷺ) کی بات رد نہیں ہو سکتی۔ اس معنی میں علماء کا کلام کثرت کے ساتھ مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔''

سوال نمبر: ۲۲۷ خلفاء راشدین کے متعلق نبی کریم ﷺ کی وصیت کیا ہے؟

جواب آپ ﷺ فرماتے ہیں ''تمہارے لیے میری سنت اور میرے بعد میرے خلفاء کی سنت کو لازم پکڑنا واجب ہے اپنے دانتوں کے ساتھ اسے مضبوطی سے پکڑ لو اپنے آپ کو (دین کے اندر) نئے کاموں سے بچاؤ کیونکہ یہ نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' [1]

اور فرمایا: ''میرے بعد میرے خلفاء ابی بکر، عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا'' [2] تمہارے لیے اس معاملے میں ہمارا فرمان ہی کافی ہے، یہی حق ہے جس کی پیروی کرنا چاہیے۔

سوال نمبر: ۲۲۸ اہل سنت والجماعت نے اپنا نام اہل سنت والجماعت اور اہل کتاب کیوں رکھا ہے؟

جواب ان کا نام اہل کتاب تو اس لیے ہے کہ وہ کتاب اللہ کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (۷/ الاعراف:۳)

---

[1] ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الأخذ بالسنة: ۲۶۷۶۔

[2] ترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر وعمر: ۳۶۶۲۔

''تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آتی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۱۲۳)

''پس جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ تو وہ بھٹکے گا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔''

ان کا نام اہل سنت اس لیے ہے کہ وہ سنت رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہیں ''تم پر میری سنت پر عمل کرنا واجب ہے'' یہ حدیث ابھی گزر چکی ہے۔

ان کے نام کے ساتھ اہل جماعت اس لیے ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے فرامین پر جماعت بن کر عمل کرتے ہیں۔ اور ان فرامین کی ضیاء سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور انہی فرامین سے ہدایات حاصل کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے فرامین کو دیگر تمام لوگوں کے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں۔

وہ اصول جن پر اہل سنت کا اعتماد ہے

سوال نمبر: ۲۲۳ وہ کون سے اصول ہیں جن پر اہل سنت عمل اور دین کے معاملہ میں اعتماد کرتے ہیں اور لوگوں کے ظاہری اور باطنی اقوال وافعال کو ان پر پرکھتے ہیں؟

جواب یہ اصول تین ہیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب، یہ کتاب سب سے سچا اور بہترین کلام ہے۔ اس کلام میں ہدایت اور نور ہے۔ اہل سنت اس پر کسی اور کلام کو ترجیح نہیں دیتے ہیں۔

دوسرا اصول نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ جو کچھ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے وہ اس ہدایت پر سختی سے کاربند ہیں۔ وہ کسی کی بات کو اس کے برابر نہیں سمجھتے۔

تیسرا اصول اجماع ہے۔ اجماع کے لفظی معانی عزم اور اتفاق کے ہیں۔ اجماع کی اصطلاحی تعریف کچھ اس طرح ہے ''کسی دینی مسئلہ پر امت اسلامیہ کے تمام مجتہدین کا ایک ہی وقت میں اتفاق۔''

اجماع شرعی طور پر حجت ہے اجماع کی حقیقی صورت جو قابل اعتماد ہے وہ سلف صالحین کا اجماع ہے اس کے بعد اختلاف کثرت کے ساتھ سامنے آیا اور امت اسلامیہ زمین کے مختلف حصوں میں منتشر ہوتی گئی۔

اہل سنت کے اوصاف خوبیاں

سوال نمبر: ۲۳۰ اہل سنت کی بعض خوبیاں ذکر کیجئے۔

جواب اہل سنت کی خوبیاں درج ذیل ہیں۔

نیکی کا حکم، برائی سے روکنا، نصیحت کو قبول کرنا، ایک دوسرے کی مدد اور تعاون، اچھے کاموں کی ترغیب، بہترین اعمال کی ترغیب ونصیحت، احسان اور نیکی کرنا۔ یتیموں، مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک، مصیبت پر صبر اور نعمت کے حصول پر شکر، والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا وغیرہ۔

نیکی اور برائی

سوال نمبر: ۲۳۱ نیکی اور برائی کی تعریف کریں۔ اس کے واجب ہونے کی دلیل کیا ہے؟ اور کیا وہ واجب کفایہ ہے؟

جواب ایمان اور عمل صالح سے متعلقہ ہر اس چیز کو نیکی (المعروف) کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں۔

اور (منکر) برائی: ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۰۶)

”تم میں سے ایسی ایک جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے۔“

اور فرمایا:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾
(۳/ آل عمران: ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔''

اور فرمایا:

﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (۹/ التوبة: ۷۱)

''مومن مرد و عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون و) دوست ہیں وہ بھلائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا:

﴿ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ﴾ (۵/ المائدة: ۷۹)

''پس وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے ہیں روکتے نہ تھے۔''

اور صحیح مسلم میں ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو کوئی کسی قسم کی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے اگر اس بات کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روک دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' [1]

یہ فریضہ واجب کفائی ہے اگر چہ یہ خطاب تمام امت کو ہے لیکن اگر بعض لوگ اس فریضہ کو سرانجام دیں تو باقی لوگ گنہگار نہیں ہوں گے۔ اگر کسی علاقہ میں ایک ہی عالم ہو تو پھر اس پر واجب ہے۔ اگر کہیں پوری جماعت ہو اور یہ فریضہ صحیح طور پر ادا نہ ہو رہا ہو تو پھر بھی اس کا اہتمام اس پر واجب ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر: ۲۳۲ کیا امر بالمعروف (نیکی کا حکم) اور نہی عن المنکر (برائی سے روکنا)

---

[1] مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر: ۴۹۔

کی کچھ شروط بھی ہیں۔

جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں ''معروف اور منکر کا علم ہونا انتہائی ضروری ہے اور ان دونوں کے درمیان فرق کی پہچان بھی لازمی ہے۔لوگوں کے احوال اور ان کی اصلاح کے لیے ضروری ہے وہ اوامر اور نواہی کو بالکل صحیح دلیل کے مطابق پیش کرے۔ مقصد کے حصول کے لیے یہ انتہائی کامیاب رستہ ہے۔اس رستہ میں نرمی کو اختیار کرنا از حد ضروری ہے اور یہ بھی لازمی ہے کہ جو اس فریضہ کو سرانجام دے وہ انتہائی صابر اور بردبار ہو وہ لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرے کیونکہ اس رستہ میں تکالیف کا پہنچنا لازمی امر ہے اگر وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے گا اور بردباری کا دامن چھوڑے گا تو فائدہ کی بجائے نقصان ہی نقصان ہو گا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس فریضہ کا بیڑا اٹھانے سے قبل بردباری، نرمی، علم، حسن سلوک لازمی ہے۔نرمی اس کے ساتھ ساتھ اور صبر بعد میں ضروری ہے۔''

اس فریضہ کو سرانجام دینے کے لیے ایک بنیادی شرط یہ بھی ہے کہ اس کو اپنی جان و مال ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو اگر ایسی بات ہو تو اسے اس فریضہ کو ترک کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اگر اسے فقط لوگوں کی گالی گلوچ، مخالفت، اور ناپسندیدہ باتوں کا سامنا ہو تو پھر یہ فریضہ ساقط نہیں ہوگا۔ اس کو ایسی صورت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے'' [1] اور فرمایا ''تمھیں لوگوں کا خوف (نیکی کے کاموں سے) روک نہ دے۔''

یہ کام انبیاء کا ہے اس مقام اور مرتبے کے حصول کے لیے کوشش کرنے والا کبھی اس کی فضیلت سے محروم نہیں ہوسکتا۔

برائی کے انکار کے درجات

سوال نمبر: ۲۳۳ برائی کے انکار کے درجات کیا ہیں؟

---

[1] ابو داود، کتاب الملاحم، باب الأمر والنهي: ٤٣٤٤۔

جواب ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ برائی کے انکار کے چار درجات ہیں۔

① اس (برائی) کو ختم کیا جائے اور اس کے پیچھے پیچھے اس کی ضد (نیکی) لگائی جائے۔

② اس کو کم کرنے کی کوشش کی جائے اگر چہ وہ بالکل ختم نہ ہو سکے۔

③ اس مقابل (نیکی) کی جائے۔

④ اس برائی کو (ختم کرنے کے لیے) اس سے بڑھ کر برائی کا ارتکاب کیا جائے۔

پہلی دو اقسام مشروع ہیں۔ تیسری قسم مقامِ اجتہاد جب کہ چوتھی حرام ہے۔

سوال نمبر: ۲۳۴ حکمرانوں کے ساتھ حج، جہاد اور ملنے جلنے کے متعلق اہل سنت کی کیا رائے ہے؟

جواب اہل سنت حکمرانوں کے ساتھ مل کر حج، جہاد اور اٹھنے بیٹھنے کو جائز سمجھتے ہیں چاہے یہ لوگ نیک سیرت ہوں یا پھر فاسق و فاجر قسم کے لوگ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ ﴾

(٤/ النساء:٥٩)

''اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔''

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایک فاجر آدمی کے ذریعہ سے کرے گا۔'' [1] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے اوپر ہر حکمران کے ساتھ مل کر جہاد کرنا واجب ہے چاہے وہ (حکمران) نیک ہو یا فاجر ہو۔'' [2]

اور فرمایا: ''جہاد تو میری بعثت سے لے کر جاری و ساری ہے حتی کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے لڑیں گے۔ اس جہاد کو کسی ظالم کا ظلم یا کسی عادل کا عدل ختم نہیں کر سکتا

---

[1] بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ان الله يؤيد الدين بالرجل الفاجر: ٣٠٦٢۔

[2] ابو داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع آئمة الجور: ٢٥٣٢۔

جب کہ تقدیر پر ایمان رکھنا واجب ہے۔'' [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں جن کے فسق و فجور سے وہ واقف تھے جس طرح عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ نے عقبہ بن معیط کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں حالانکہ وہ شراب پیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے صبح کی چار رکعتیں پڑھا دیں تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کو کوڑے مارے۔ عبداللہ بن عمر اور دیگر صحابہ حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ صحابہ کرام اور تابعین ابی عبید کے پیچھے نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے حالانکہ اس پر الحاد اور گمراہی کی طرف بلانے کی تہمت لگائی گئی تھی۔

نصیحت

سوال نمبر: ۲۳۵ نصیحت، کے معانی کیا ہیں اور یہ کس کے لیے ہے؟

جواب نصیحت: کسی آدمی کے لیے اس کا فائدہ اور سودمند حصہ سنبھال رکھنا نصیحت کہلاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ کسی کے لیے اپنی نیت کو ملاوٹ سے پاک کر کے خیر خواہی کرنا۔ اور (نصیحت) کے معنی یہ ہیں کہ اس کو ثواب سمجھا جائے۔

رہا یہ سوال کہ یہ کس کے لیے ہے تو جیسا کہ حدیث مبارکہ میں وضاحت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان حکمرانوں اور عام لوگوں کے لیے ہے۔

سوال نمبر: ۲۳۶ اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ مومن مومن کے لیے دیوار کی مانند ہے وہ ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں؟

جواب اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مومنوں کی شان یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر رہتے ہیں ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کی عام اور خاص مصلحتوں کا احترام کرتے ہیں اور ان مصلحتوں کے حصول کے لیے ایک دوسرے کا مکمل تعاون کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کے لیے رحمدلی محبت، اور مہربانی کے جذبات رکھتے ہیں۔

---

[1] ابو داود، كتاب الجهاد، باب فى الغزو مع آئمة الجور: ٢٥٣٢۔

جس طرح کہ ایک متفق علیہ حدیث میں ہے۔
''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہے'' [1] حدیث سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جس طرح ایک بلڈنگ دیواروں چھت اور بنیادوں سے مل کر بنتی ہے۔ اگر یہ چیزیں ہوں گی تو بلڈنگ مضبوط ہوگی اگر ان میں سے کوئی چیز نہیں ہو گی تو وہ عمارت انتہائی کمزور ہوگی اور وہ تندو تیز ہوا کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکے گی۔ اور نہ ہی مختلف حوادث کا مقابلہ کر سکے گی اور دھڑام سے زمین پر گر جائے گی۔ اس لیے تمام مومنوں پر واجب ہے کہ وہ دین اسلام کے تمام احکامات کا اہتمام کریں۔ وہ ایسے تمام امور کا اہتمام کریں جو اسلام کی تقویت اور قیام کا باعث ہیں اور ایسے تمام کاموں سے دور رہیں جو دین کے لیے نقصان کا باعث ہیں۔ اگرچہ طریقہ کار اور رستے مختلف ہوں مگر ان کی منزل مقصود ایک ہونی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے اس اتحاد و اتفاق کی مثال کچھ اس طرح واضح کی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیں۔ اس مثال کے پیش نظر ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے لیے مزید قوت کا باعث ہے۔ اس حدیث میں اختلاف فرقہ بندی اور لڑائی جھگڑے سے منع کیا گیا۔

آپس میں محبت، رحمت اور مہربانی کی ترغیب

سوال نمبر: ۲۴۷ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ ''محبت، رحمت، اور مہربانی میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی مانند ہے جب کسی ایک حصے کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

جواب لفظ تواد، تراحم، تعاطف، محبت، مہربانی، رحمت و شفقت یہ تمام الفاظ باب تفاعل میں سے ہیں۔ جس میں اشتراک کے معانی پائے جاتے ہیں۔ یہ پوری

---

[1] بخاري، كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب...... : ١٣۔

جماعت سے اشتراک کا مطالبہ کرتا ہے۔ تراحم سے مراد وہ شفقت اور مہربانی ہے جو ایمان، اخوت، محبت، آپس میں تعاون اور مہربانی کی بنیاد پر ہر مسلمان کے درمیان ہوتی ہے۔ لفظ عطف سے مراد ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و محبت سے قریب ہونا، جیسا کہ کپڑے کو کپڑے پر لپیٹا جائے تو وہ اس کی تقویت اور مضبوطی کا باعث ہے۔ اس لیے تو نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی مثال ایک جسم سی بیان فرمائی ہے کہ اگر جسم کا ایک حصہ بیمار ہو تو پورا جسم بخار اور شدت الم کی وجہ سے بے چین رہتا ہے، بالکل اسی طرح جب مسلمانوں میں سے ایک کو کوئی تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے تو سارے مسلمان مل کر اپنی طاقت کے مطابق اس کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں۔

اجتماعی لحاظ سے ہر انسان امت اسلامیہ کا جزء ہے اور دوسرے کے لیے عضوی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا کہ وہ ایک ہی شخص ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ ﴾
(٤٨/ الفتح: ٢٩)

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں۔''

حدیث میں ہے کہ ''جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے میں لگا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پورا کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اور جس نے اپنے مسلمان بھائی سے کسی تکلیف کو دور کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن تکلیف ختم کر دے گا۔'' [1] اور ایک حدیث میں آپ کا ارشاد گرامی ہے:

''مومن مومن کا بھائی ہے وہ اس سے تکلیف کو دور کرتا ہے اور اس کی مکمل حفاظت کرتا ہے'' [2] اس حدیث میں مسلمان کے اس عظیم حق کو بیان کیا گیا ہے اور اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ مذکورہ تین اشیاء کا اہتمام کیا جائے۔

---

[1] مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الإجتماع: ٢٦٩٩۔
[2] ابوداود، کتاب الأدب، باب فی النصیحة، ٤٩١٨۔

سوال نمبر: ۲۳۸ مندرجہ ذیل کلمات کے معانی بیان کریں۔

الصبر، البلاء، الرخاء، الشکر، الرضی

جواب صبر سے مراد ناپسندیدہ چیز پر اپنے نفس کو روک رکھنا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں:

1. اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر
2. اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے صبر
3. اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر

بلاء سے مراد تکلیف اور غم ہے۔

شکر: احسان کو پہچاننے اور اعتراف کرنے کا نام ہے۔

رخاء: وسائل زندگی کی وسعت کو کہتے ہیں۔

الرضی: ناراضگی کی ضد اور اس کے خلاف (خوشنودی) ہے۔

مکارم: مکرمہ کی جمع ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنے کا نام ہے۔

اسی لیے بہترین آدمی کو کریم کہا جاتا ہے محاسن الاعمال بہترین اور اچھے اعمال کو کہتے ہیں۔

اہل سنت تمام لوگوں کو ایسے اعلیٰ اخلاق کی طرف دعوت دیتے ہیں اور انہیں اعمال کے قیام کی ترغیب دیتے ہیں۔

سوال نمبر: ۲۳۹ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا مطلب کیا ہے؟ ''مومنوں میں سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے'' [1]

جواب لفظ اخلاق ہر اس صفت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان مختلف اعمال کو سہولت اور آسانی کے ساتھ سرانجام دیتا ہے۔ یہ انسان کی باطنی صورت ہوتی ہے۔ حسن اخلاق پر بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے جو اس سوال میں مذکور ہے۔ حسن خلق کا یہ ثمر ہے کہ آدمی کے کام آسان ہو جاتے ہیں۔ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، لوگ اس کا تعاون اور اس سے تکلیف

---

[1] بخاری، کتاب الأدب، باب لم یکن النبی فاحشا: ٦٠٢٩۔

کو دور کرتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ لین دین کے سلسلہ میں اس کی مشکلات انتہائی کم ہو جاتی ہیں۔ اس کی زندگی انتہائی خوشگوار اور مطمئن گزرتی ہے۔ حسن اخلاق میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں۔

صداقت، عزت نفس، تواضع، ثابت قدمی، بلند ہمتی، درگزر، رحمت، حکمت، بہادری، وقار، صبر، حفاظت نفس، تقویٰ، حیاء، سخاوت، نفاست، راز داری، قناعت، عفت وعصمت اور قربانی وغیرہ۔

حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان کے باب میں لوگ مختلف درجات میں تقسیم ہیں۔ اس حدیث میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان کم اور زیادہ نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے حسن اخلاق کے متعلق جو فرامین ارشاد فرمائے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں "کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اور قیامت کے دن میرے انتہائی قریب ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ تو آپ نے فرمایا "جو تم میں سے اچھے اخلاق والا ہوگا" [1] اور فرمایا لوگوں کو مالوں کے ذریعے گرویدہ نہ بناؤ بلکہ انہیں حسن اخلاق اور ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ گرویدہ بناؤ۔" اور فرمایا: "انسان کے نامہ اعمال میں سب سے زیادہ وزنی چیز حسن اخلاق ہے۔" [2] جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا لوگ کس چیز کی بنیاد پر کثرت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کا تقویٰ اور حسن اخلاق (کی بنیاد پر)۔"

صلہ رحمی

سوال نمبر: ۲۴۰ رحم سے کیا مراد ہے اور کس چیز کے ساتھ صلہ رحمی ہوتی ہے؟ عفو، ظلم، حرمان کے معانی کیا ہیں۔ اہل سنت کے ہاں ان اوصاف کی ترغیب اور عمل کی کیا دلیل ہے؟

جواب رحم سے مراد رشتہ داری ہے اور یہ رشتہ داروں کے درمیان حسن سلوک کا

---

[1] الجامع فی الحدیث، باب العزلة: ٤٥٤۔

[2] ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق: ٢٠٠٢۔

ذریعہ ہے۔ اس کا اہتمام رشتہ داروں کی زیارت، اور جانی مالی لحاظ سے ان کا تعاون، تحفہ، اور صدقہ کے ذریعے ہو گا اگر رشتہ دار غریب ہوں تو صدقہ کے ذریعے اور اگر مالدار ہوں تو تحفہ اور ہدیہ کے ذریعے ان سے صلہ رحمی کی جائے گی۔ صلح رحمی کے لیے انسان ہر وہ کام سر انجام دے گا جو نفع کا باعث ہو اور نقصان کو ختم کرنے کا ذریعہ ہو۔ عفو کے لفظی معانی معاف کرنا، صلح کر لینا اور درگزر کرنا ہے اور گناہ کو معاف کر دینا ہے۔

ظلم کے معانی کسی چیز کو اس کے مقام کے علاوہ کسی اور جگہ پر رکھنا۔

حرمان سے مراد۔ منع ہے کسی کو کسی چیز سے روک دینا۔

اہل سنت کی دلیل یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قرابت داری اللہ کے عرش کے ساتھ معلق ہو گی اور یہ کہتی ہو گی ''جس نے مجھے ملایا اللہ تعالیٰ اسے ملائے جس نے مجھے چھوڑا اللہ تعالیٰ اس کو کاٹ دے'' [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے کچھ قریبی رشتہ دار ہیں۔ وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں لیکن میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں مگر میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر واقعی بات ایسے ہے جیسے تو کر رہا ہے۔ تو تیرے ساتھ ہمیشہ اللہ کی طرف سے مددگار رہے گا جب تک تو ان سے یہ سلوک کرتا رہے گا۔ [2]

عفو درگزر کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ﴾ (۲۴/ النور:۲۲)

''معاف کر دینا اور درگزر کر لینا چاہیے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۳۴)

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلة، باب صله الرحم......: ۲۵۵۵۔

[2] مسلم، کتاب البر والصلة، باب صله الرحم......: ۲۵۵۸۔

"اور لوگوں سے درگزر کرنے والے۔"

حدیث مبارکہ میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ بندے کا مرتبہ معاف کرنے کی بناء پر بلند ہی کرتا ہے۔ برے سلوک کے باوجود حسن سلوک کرنے کی دلیل اہل سنت کے ہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہی حدیث ہے جو ابھی گزری ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق جوڑتا ہوں مگر وہ میرے ساتھ قطعِ تعلقی کرتے ہیں؟۔

والدین کے ساتھ نیک سلوک

سوال نمبر: ۲۴۱ والدین کے ساتھ نیک سلوک کا کیا مطلب ہے اور کس چیز کے ساتھ والدین کے لیے حسن سلوک ہوگا۔ اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب "بر" کے لفظی معنی نیکی، تعلق جوڑنا، اور کسی کے ساتھ مکمل احسان کرنا۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا مطلب ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کہ جس میں شریعت کی مخالفت نہ ہو۔ اسی طرح ان کے ساتھ احسان کرنا ان کی عزت کرنا اور ان کے لیے نرمی کا پہلو اختیار کرنا۔ ان سے شفقت و رحمت کا اظہار کرنا اور ان کے ساتھ نرم گفتگو کرنا ان کے لیے بہترین اور انتہائی نرم لہجہ سے بولنا۔ حسن ادب جس جس چیز کا تقاضا کرتا اس کو اختیار کرنا۔ یہ سب کچھ انسان پر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بناء پر واجب ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾

(۱۷/ بنی اسرائیل:۲۳)

"اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔"

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے موضوع پر کئی آیات اور احادیث دلیل ہیں۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

سوال نمبر: ۲۴۲ پڑوسی کون ہے؟ کس چیز کے ذریعے پڑوسیوں کے ساتھ حسن

سلوک ہوگا اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب وہ انسان جو ایک ہی جگہ میں تمہارے ساتھ رہتا ہو یا پھر اس کا گھر تیرے گھر کے ساتھ ہو، تمام اطراف سے چالیس گھروں پر پڑوسی کا اطلاق ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ''پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو کافر پڑوسی ہو اس کا ایک حق ہے۔ دوسرا وہ جس کے دو حق ہیں یعنی وہ پڑوسی جو مسلمان ہو۔ جس کے تین حق ہیں کہ وہ پڑوسی جو مسلمان اور رشتہ دار ہو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' حضرت جبریل ہمیشہ مجھے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے رہے حتی کہ مجھے یہ گمان ہونے لگ گیا کہ وہ وراثت میں حقدار ٹھہرائے جائیں گے۔ (متفق علیہ)

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک ہر اس بھلائی کے عمل سے ہوگا جس کی بھی انسان استطاعت رکھتا ہو جیسا کہ بھلائی کرنا، تحفہ دینا، سلام میں پہل کرنا، ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کا استقبال کرنا، اس کی مدد کرنا، قرض اور دیگر معاملات میں اس کے لیے وسعت قلبی کا مظاہرہ کرنا۔ اس کی تیمارداری کرنا مصیبت کے وقت اس کے ساتھ افسوس کا اظہار کرنا۔ خوشی کے وقت اس کو مبارک باد دینا۔ اس کی تیمارداری کرنا۔ اس کی عورتوں سے نگاہیں نیچی رکھنا۔ اس کی اولاد کو تکلیف سے بچانا۔ آرام کے وقت ریڈیو وغیرہ کی آواز اونچا کر کے خلل نہ ڈالنا۔ ایسا کرنا خود ان کے لیے اور ان کے بچوں کے لیے تکلیف دہ ہے خصوصاً گانے نشر ہو رہے۔ ان کے دروازہ کے قریب کوڑا کرکٹ پھینک کر ان کو تکلیف نہ دینا۔ گھر کی چھت پر چڑھ کر یا کھڑکی وغیرہ کھول کر تنگ نہ کرنا۔ اس کی اولاد کے لیے نرمی کا پہلو اختیار کرنا۔ اس طرح کے دیگر بہترین اعمال کا اہتمام ہمسایہ کے ساتھ احسان کہلاتا ہے۔

یتیم کے ساتھ حسن سلوک

سوال نمبر: ۲۴۳ یتیم کسے کہتے ہیں اور کس چیز کے ذریعے اس کے ساتھ احسان ہوگا دلیل سے واضح کریں؟

جواب یتیم وہ جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے مر جائے۔ اس کے ساتھ احسان یہ ہے کہ اس کی کفالت کی جائے۔ اس کی تعلیم تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ اس کی حالت پر رحم کیا جائے۔ اس کے ساتھ شفقت اور رحمت کا معاملہ کیا جائے۔ یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب پر کئی آیات اور احادیث وارد ہیں۔ قرآن مجید کے دلائل کچھ اس طرح ہیں:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ ﴾ (۲/ البقرة: ۲۲۰)

''اور تجھ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان سے خیر خواہی بہتر ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ ﴾ (۹۳/ الضحیٰ: ۹)

''پس یتیم پر تم بھی سختی نہ کرو۔''

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (۱۷/ الاسراء: ۳٤)

''اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہت ہی بہتر ہو۔''

احادیث کے دلائل

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اسی طرح (اکٹھے) ہوں گے۔'' آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کیا اور ان دونوں کے درمیان فاصلہ پیدا کیا۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی مسلمان نے یتیم کے لیے کھانے اور رہنے کا بندوبست کیا اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کر دیں گے مگر یہ کہ اس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کی بخشش نہ ہو۔'' [2] اور کہا یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الطلاق، باب اللعان: ٥٣٠٤۔

[2] ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة اليتيم وكفالته: ١٩١٧۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دل کی سختی کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''مسکین کے سر پر ہاتھ رکھو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔''
(مسند احمد)

مسکین اور مسافر کے ساتھ حسن سلوک

سوال نمبر: ۲۴۴ مسکین اور مسافر کسے کہتے ہیں۔ ان دونوں کے ساتھ احسان کرنے کا کیا مطلب ہے۔ مملوک (غلام) کے ساتھ حسن سلوک کے کیا معانی ہیں اور اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب مسکین سے مراد وہ شخص ہے کہ جو اس چیز کی طرف محتاج ہو جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ جب اس لفظ کو مطلق بولا جائے تو اس میں فقیر بھی شامل ہے۔ اور اسی طرح لفظ فقیر میں مسکین بھی شامل ہے۔ لیکن جب اکٹھے استعمال ہوں جیسا کہ آیت زکوٰۃ میں تو پھر فقیر سے مراد وہ شخص ہے جو محتاج تو ہوتا ہے مگر لوگوں سے سوال کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ اور مسکین سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں سے لپٹ کر سوال کرتا ہے۔ اور لوگوں کے دروازوں پر چکر لگاتا رہتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کا جسم کسی طرح سے بھی معذور ہو اور مسکین وہ ہے جس کا جسم صحیح سلامت ہو۔ مسافر سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے علاقہ کو چھوڑ کر دوسرے علاقہ میں ہو اور اس کے پاس اتنا زادراہ نہ ہو جس سے وہ سفر میں فائدہ حاصل کر سکے۔

مساکین کے ساتھ احسان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ کے ساتھ ان کی مدد کی جائے۔ ادھار دے کر ان کا حوصلہ بڑھایا جائے۔ ہدیہ وغیرہ دے کر ان کو قریب کیا جائے ان سے شفقت کی جائے۔ ان کی عزت کی جائے۔ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے مساکین اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ترغیب دی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ (۲/ البقرة:۲۱۵)

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں آپ کہہ دیجیے جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لیے، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔''

جیسا کہ دس حقوق پر مشتمل آیت کریمہ میں ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ﴾ (٤/ النساء:٣٦)

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔''

اور سورۃ براۃ میں ہے:

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ﴾ (۹/ التوبة:٦٠)

''صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مساکین کے لیے ہیں۔''

رہی احادیث تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیواؤں اور مسکینوں کا خیال رکھنے والا اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ کے رستہ میں جہاد کر رہا ہے۔'' [1] یہ بات بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ مرض الموت میں اپنی امت کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''نماز، نماز اور تمہارے غلام ولونڈیاں، [2] ماتحت کے ساتھ نرمی، ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو وہ اٹھا نہ سکیں ان کے لیے نرمی اختیار کرنا'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''برا مالک کبھی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا'' حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''وہ تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا مالک بنا دیا ہے پس جس کے ماتحت اس کا (مسلمان) بھائی ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے وہی کھلائے جو خود کھائے، اور اسے وہی پہنائے جو خود پہنے۔ اور کہا ایسا بوجھ نہ ڈالو جسے وہ اٹھا نہ سکیں اور ان کا تعاون کرو۔'' [3]

سوال نمبر: ۲۴۵ مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی بیان کریں اور ان کے متعلق اہل سنت کے دلائل ذکر کریں۔ (الفخر، الخیلاء، الاسطالة)

---

[1] بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل: ۵۳۵۳۔

[2] ابو داود، کتاب الأدب، باب فی حق المملوك: ۵۱۵۶۔

[3] بخاری، کتاب العتق، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم العبید إخوانكم...... ۲۵۴۵۔

جواب: ان کے معانی تکبر غرور کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴾ (۳۱/ لقمان:۱۸)

''کسی تکبر کرنے والوں شیخی خور کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔''

اور فرمایا:

﴿ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ﴾

(۷/ الاعراف:۱٤٦)

''میں اپنے احکام سے ایسے لوگوں کو برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق نہیں اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی اس پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں گے۔''

اور فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ ﴾

(۷/ الاعراف:٤٠)

''جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔''

اور فرمایا:

﴿ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴾ (۳۹/ الزمر:٦٠)

''کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں؟''

فخر وغرور کے رد میں بکثرت آیات موجود ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سے پہلے ایک آدمی کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی چادر فخر وغرور کی غرض سے لٹکا کر چلتا تھا۔ پس اس کو زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں (نیچے) دھنستا ہی چلا جائے گا۔[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

[1] بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء: ۳٤٨٥۔

سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے فخر کے ساتھ کپڑا (تہہ بند شلوار) لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔'' (1) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول ﷺ! میرا کپڑا نہ چاہتے ہوئے لٹک جاتا ہے۔ میں اسے اوپر کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو فخر کے ساتھ کپڑا لٹکاتے ہیں۔'' (2) عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تم تواضع اختیار کرو اور ایک دوسرے پر فخر نہ کرو۔'' (3) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چار آدمی اللہ کو ناپسند ہیں جھوٹی قسم اٹھا کر سودا بیچنے والا۔ تکبر کرنے والا۔ بوڑھا زانی اور ظالم بادشاہ۔'' (4) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: ''تمہارے خون اور تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر تمہارے لیے حرمت والے ہیں خبردار میں نے تمہیں بتا دیا؟ (5) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا خون، عزت، اور مال حرام ہیں۔'' (6)

اعلیٰ اخلاق اور برے اخلاق کے بعض نمونے

سوال نمبر: ۲۴۶ اعلیٰ اور برے اخلاق کا تذکرہ کریں۔ اہل سنت کے ہاں اعلیٰ اخلاق کو اپنانے اور برے اخلاق سے بچنے کی کیا دلیل ہے؟

جواب بلند اخلاق کے بعض نمونے درج ہیں: ''عفت وعصمت، امانت شجاعت، سخاوت، حیاء، تقویٰ نرمی، انصاف، بردباری، سچائی حسن اخلاق، تمام

---

(1) بخاری، کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ: ۵۷۸۳۔
(2) بخاری، کتاب المناقب، باب قول النبی لو کنت متخذا خلیلا: ۳۶۶۵۔
(3) مسلم، کتاب الجنۃ، باب الصفات النبی یعرف......: ۲۸۶۵۔
(4) نسائی، کتاب الزکاۃ، باب الفقر المختال: ۲۵۷۶۔
(5) بخاری، کتاب العلم، باب یبلغ العلم الشاھد الغائب: ۱۰۵۔
(6) مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم المسلم......: ۲۵۶٤۔

اوصاف حمیدہ اور تمام بہترین افعال۔
برے اخلاق کے نمونے: ظلم، بخیلی، کنجوسی، خیانت، مکر وفریب۔ نہی بالمعروف وامر المنکر (برائی کا حکم اور نیکی سے روکنا) جھوٹ، غیبت، چغل خوری اور اس طرح کے دیگر برے افعال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (١٦/ النحل: ٩٠)

''اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے وہ خود تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے۔ کہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ﴾ (١٧/ بنی اسرائیل: ٩)

''یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (٤٢/ الشوریٰ: ٥٢)

''بے شک آپ راہ راست کی راہنمائی کر رہے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴾ (٢٧/ النمل: ٧٩)

''پس آپ یقیناً اللہ ہی پر بھروسہ رکھیے یقیناً آپ سچے اور کھلے دین پر ہیں۔''

اور ابوسفیان نے ہرقل کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا جب ہرقل نے پوچھا کہ وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟ ابوسفیان کہتے ہیں میں نے کہا: ''وہ کہتا ہے کہ فقط ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اس چیز کی پوجا چھوڑ دو جس کو تمہارے آباؤ اجداد پوجتے آئے ہیں۔ وہ ہمیں نماز، صدقہ، عفت وعصمت سچائی اور صلہ رحمی کا سبق دیتا ہے۔'' حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں اللہ کریم ہے اور وہ کریم بندے کو پسند کرتا ہے۔

اور بلند اخلاق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اخلاق رذیلہ کو ناپسند کرتا ہے۔ [1]

اہل سنت کا رستہ اور ان کا امتیازی وصف

سوال نمبر: ۲۴۷ اہل سنت کا طریقہ کار کیا ہے ان کی کوئی ایسی نشانی ذکر کریں جو انہیں دوسروں سے ممتاز کر سکے؟

جواب اہل سنت کا رستہ دین اسلام ہے وہ دین جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝ ﴾ (۳/ ال عمران:۸۵)

”جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔“

ان کا امتیازی وصف وہی ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے اشارہ کیا: ”جو کوئی اس رستے پر ہو جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔“ [2]

سوال نمبر: ۲۴۸ صدیق اور شہید کسے کہتے ہیں: اَعْلَامُ الْهُدَى اور مَصَابِيحُ الدُّجٰى سے کیا مراد ہے؟

جواب صدیق وہ ہے جو اپنے تمام افعال اور اقوال میں سچائی کا مظاہرہ کرے۔

شہید سے مراد وہ انسان ہے جو معرکہ کے اندر شہید ہو جائے، اعلام الهدی سے مراد علماء ہیں۔ عالم کو عالم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے علم سے لوگ ہدایت پاتے ہیں۔

مصابیح الدجی (مصابیح چراغ کو کہتے ہیں) اس سے مراد ایسے علما ہیں جن کی وجہ سے لوگ ہدایت یافتہ بنتے ہیں۔ وہ اہل خیر بھی ہیں جو امت کو ہدایت کی رہنمائی کرتے ہیں اور اہل علم جوان پہاڑوں کی مانند ہیں جن سے لوگ رستوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وہ ایسے چراغ ہیں جن کو دیکھ کر لوگ فلاح و کامیابی کا رستہ ڈھونڈتے ہیں اور ان کے لیے صراط مستقیم

---

[1] بخاری، کتاب بدء الوحی، باب بدء الوحی: ۷۔

[2] ترمذی، کتاب الإیمان، باب ماجاء فی افتراق هذه الأمة: ۲٦٤١۔

واضح ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر: ۲۴۹ فضائل و مناقب سے کیا مراد ہے نیز ابدال اور ائمہ دین سے کون لوگ مراد ہیں۔

جواب فضائل فضیلت کی جمع ہے اور اس سے مراد ہر وہ فعل ہے جو نقص و عیب کے خلاف ہو۔ ابدال کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین کی تجدید کا کام کرتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے بعد آتے رہتے ہیں حدیث مبارکہ میں ہے کہ

''اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد اس امت میں ایک ایسا شخص پیدا کرتا رہے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔''

دین کے ائمہ سے مراد وہ علماء ہیں جن کی لوگ پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴾

(۳۲/ سجدة: ۲٤)

''اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔''

بعض علماء نے کہا دین میں امامت صبر اور یقین کے ذریعے حاصل ہوتی ہے یہ استدلال مذکورہ آیت سے کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے سوال و جواب سے مجھے فراغت دوپہر ڈیڑھ بجے بروز بدھ ۳۰ محرم ۱۳۸۱ھ کو ہوئی۔

سبحان ربك رب العزة عما يصفون و سلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين

الحمد لله الذي لم يتخذ ولدا و لم يكن له شريك في الملك و لم يكن له ولي من الذل و كبره تكبيرا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ترجمہ مکمل کرنے کی سعادت اکتوبر 2005 کو حاصل ہوئی۔

شرح عقیدہ واسطیہ

سوالاً جواباً